کلیات اکبر
حصہ سوم
از

دیکھنے کی تو ہی یہ بات رہا کیا اُس میں — آپ اکبر سے عبث پوچھتے ہیں کیا نہ رہا

۴ غم کیا جو آسمان ہی مجھ سے پھرا ہوا — میری نظر سے خود ہی زمانا گرا ہوا

مغرب نے خوردبین سے کمر انکی دیکھ لی — مشرق کی شاعری کا مزا کرکرا ہوا

۵ شیخ کو بھی اُس بُتِ کافر نے اپنا کر لیا — دین سے کیا ہو سکا ایمان نے کیا کر لیا

۶ دیکھکر رنگِ فنا خون جگر پینا پڑا — زندگی سے سخت گھبرایا مگر جینا پڑا

۷ خانۂ امید آتا ہے نظر اُجڑا ہوا — دل کو حیرت ہے کہ یا اللہ کیا تھا کیا ہوا

کیا کسی بزمِ طرب میں ہوں میں اے اکبر شریک — آنکھ بھی روئی ہوئی ہے دل بھی ہے تڑپا ہوا

۸ بزمِ ہستی میں مرے پیشِ نظر کیا کچھ نہ تھا — دیکھتے ہی دیکھتے لیکن جو دیکھا کچھ نہ تھا

بے تعلق منزلِ ہستی سے گذرا دل مرا — اسکی نظروں میں سزا اور تمنا کچھ نہ تھا

۹ تنہائی اور شبِ غم - ہم اور دل ہمارا — اللہ سے دعا ہیں - اُمید کا سہارا

۱۰ ذہانت آپکی کُھلتی ہے مجھپر ملنے جلنے سے — ادب کی جب ضرورت ہی تو بہتر ہی جدا رہنا

۱۳ اطبا کو تو اپنی فیس لینا اور دوا دینا — خدا کا کام ہے لطف و کرم کرنا شفا دینا

۱۴ خدا کا نام گو اکثر زبانوں پر ہے آجاتا — مگر کام اس سے جب چلتا کہ یہ دل میں سما جاتا

۱۵ نہیں ہی کام زبان کا کچھ اب دعا کے سوا — نظر کسی پہ نہیں ہی مری خدا کے سوا

کبھی کہیں گے نہ وہ میرے دل سے ہمدردی — کوئی علاج نہیں ترک مدعا کے سوا

۱۶ کروں کیا غم کہ دنیا سے ملا کیا — کسی کو کیا ملا دنیا میں تھا کیا

یہ دونوں مسئلے ہیں سخت مشکل — نہ پوچھو تم کہ میں کیا اور خدا کیا

رہا مرنے کی تیاری میں مصروف — مرا کام اور اس دنیا میں تھا کیا

وہی صدمہ رہا فرقت کا دل پہ — بہت سا رو لیے مگر اس سے ہوا کیا

خدا کے فضل سے بی بی میاں دونوں سمجھدار ہیں
جواب اُنکو نہیں آتا۔ انھیں غصّا نہیں آتا

۳۴
جو کچھ تم دے رہے ہو جیسے وہ کہنا نہیں سیکھا
یہ سچ کہتے ہو اُس نے مسکرانا ہنسنا نہیں سیکھا

۳۵
ہستی بے ثبات نے جانِ بشر کو کیا دیا
نفس سے تیرے آ گئی ہوش نے عشق بنا دیا

نفس نے پیدا کیا عقل نے بھی ملائی ہاں
منزلِ ذوقِ روح کا دل نے اگر پتا دیا

چشمِ خرد سے دار ہی حسن جنون پسند کو
عقل نے آنکھ بند کی اُس نے حجاب اٹھا دیا

۳۶
حالِ دل میں سنا نہیں سکتا
لفظ معنی کو پا نہیں سکتا

عشق نازک مزاج ہے بیحد
عقل کا بوجھ اُٹھا نہیں سکتا

ہوش عارف کی ہے یہی پہچان
کہ خودی میں سما نہیں سکتا

پونچھ سکتا ہے ہمنشیں آنسو
داغِ دل کو مٹا نہیں سکتا

مجھکو حیرت ہے اُسکی قدرت پر
علم اس کو گھٹا نہیں سکتا

۳۷
آتشیں سرخ بتاں دیکھ کے واعظ نے کہا
کالا اکبر ہی ہے دوزخ سے لگاوٹ کرنا

یہ دروازہ قیام سرائے فنا نہ بہت کی خوشی نہ ہو کم کا گلا
یہ کہاں کا فسانۂ سود و زیاں، جو گیا وہ گیا، جو ملا وہ ملا
ہے بجا کبھی غم جہاں ہی رہی کسی اہلِ نظر نے یہ خوب کہی
یہ کرشمۂ شانِ ظہور ہیں سب، کبھی خاک اڑی کبھی پھول کھلا
نہیں رکھتا میں خواہشِ عیش و طرب یہی ساقیٔ دہر سے ہے طلب
مجھے طاعتِ حق کا چکھا دے مزا نہ کباب کھلا نہ شراب پلا
ہے فضول یہ قصۂ دید و شنید ہر اک اپنے عمل کا چکھے گا ثمر
کہو ذہن سے فرصتِ عمر ہے کم جو دلا تو خدا ہی کی یاد دلا

۵۴
خدا ہی کی قدرت کا ہر سو عمل ہے — تفکر میں کیوں جان اپنی ہے کھوتا
ہوا جو کچھ اکبر سمجھ ٹھیک اسکو — ضروری نہ ہوتا تو ہرگز نہ ہوتا

۵۵
نظر اُنکو ہو ذوق معرفت کا اگر ہے تو شوق اضطراب پیدا — سوال پیدا جو ہونگے دل میں انھیں سے ہونگے جواب پیدا
کرو نہ کچھ فکر جام و ساقی بہار آنے دو تو چمن میں — گلوں سے ٹپکیگا رنگ مستی ہوا کرے گی شراب پیدا
نہ آس کو لوٹنے کا موقعہ نہ شوق گستاخیوں کا ہی — اداؤں میں کچھ لگاوٹیں ہیں نگاہ سے ہے عتاب پیدا
ہر اک کے لائق ہے اسکی زینت نہیں ہے تیری یہ شان قدرت — کہ آنکھ کو اشک سے ہے بھرتی گہر میں کرتی ہے آب پیدا
یہ منزل حرص مال و دولت نہ دیگی دنیا میں تم کو راحت — ہوس بڑھائیگی تشنگی کو نظر کرے گی سراب پیدا

۵۶
اک تماشا ہے یہ قرب ضعف یہ بعد اجل — مدتیں گذریں اسی میں اب مرا اور اب مرا
دفن کر دو فاتحہ پڑھ دو سدھارو دوستو — یہ نہ پوچھو تم کہ میں کیونکر مرا اور کب مرا
اسکو پروانہ نہ کہہ دو جو ہوا پامال — وہ ہے پروانہ جو پیش شمع وقت شب مرا

۵۷
بہت دشوار ہے شایستہ راہ طلب ہونا — نظر کا حد میں رہنا شوق دل کا با ادب ہونا
تعجب انقلابوں کا ہے کیا اس دور گردوں میں — یہاں تو رات دن ہے شب کا دن اور دن کا شب ہونا
تڑپنے کا سلیقہ کیوں کیا تھا ثابت اس دل نے — تعجب کیا ہوا اب بہر مصیبت منتخب ہونا

۵۹
حرص دنیا کا اثر طبع پہ غالب نہ رہا — دیکھکر حالت مطلوب میں طالب نہ رہا
کہیں اس عہد میں دو دل نظر آتے نہیں ایک — اثر معنی یک جان و دو قالب نہ رہا
کہہ چکا ان سے بہر حال ہوں راضی بہ رضا — اب کوئی موقعہ اظہار مطالب نہ رہا

۶۲
ہوش نے کر لیے اغراض و مطالب پیدا — نقش سے ہو گئے اطراف و جوانب پیدا

۶۳
خوشی سے شیخ کالج کو مسجد اب نہیں چلتا — جہاں روٹی نہیں چلتی وہاں مذہب نہیں چلتا

۶۴
کونسلوں میں سوال کرنے لگے — قومی طاقت نے جب جواب دیا

معانی کی نظر سے جو تری صورت کو دیکھے گا
نہ وہ دوزخ کو دیکھے گا نہ وہ جنت کو دیکھے گا ۶۵

دو نگا ذرا سمجھ کے جواب اُنکی بات کا
رخ دیکھتا ہوں سلسلۂ واقعات کا ۶۷

اے دوست مجھے تو ہے خدا ہی پہ بھروسا
دشمن کو مبارک ہو مری گھات میں رہنا ۶۹

آنے دو مصیبت کو دھرنا نہ دل پر
جو بند ہے غفلت میں وہ عبرت میں کھلیگا ۷۰

محفل ہی میں خاموش ہے اور بند ہے اکبر
تنہا کبھی ملئے گا تو خلوت میں کھلے گا

کیا علم کی لذت سے بھی بڑھکر ہے کوئی چیز
یہ حال تو بس محفلِ حیرت میں کھلیگا

خدا طالب نہیں تمسے مقفّے بات کرنے کا
وہ اُس سے خوش ہے جسکو شوق ہے خیرات کرنیکا ۷۱

خلاصہ ہے یہی ساری شریعت اور حکمت کا
وہی بندہ ہے اچھا شوق ہو جسکو عبادت کا ۷۲

احساس جو ہوتا ہے روایات سے پیدا
ہوتا نہیں اصلی اثر اس بات سے پیدا ۷۳

کام اس ملک میں ہو سلف گورنمنٹ سے کیا
زہر کو ہضم کرے کوئی پپرمنٹ سے کیا ۷۴

ناحق جو وہ مجھ سے کد کرے گا
اللہ مری مدد کرے گا ۷۶

دعوی تو مرا ہے صرف توحید
کیونکر کوئی اسکو رد کرے گا

دنیا کی طرف بلا نہ اے شیخ
نیکوں کو یہ وعظ بد کرے گا

جسے حکومت کا نشہ ہو گا فلک سدا اُس سے کد کریگا
جو صبر و طاعت سے کام لیگا خدا اُسی کی مدد کریگا ۷۸

اکبر نہ تھا بتخانے میں زحمت بھی ہوئی اور زر بھی گیا
کچھ نام خدا سے اُنس بھی تھا کچھ ظلم بتاں سے ڈر بھی گیا

پروانے کا حال اس محفل میں ہے قابل رشک اے اہل نظر
اک شب ہی میں پیدا بھی ہوا عاشق بھی ہوا اور مر بھی گیا

کعبے سے جو بت نکلے بھی تو کیا کعبہ ہی گیا جب دل سے نکل

افسوس کہ بت بھی ہمسے چھٹے قبضے سے خدا کا گھر بھی گیا

جو گونج رہا تھا خوشیوں سے اس قصر پہ کل رویا میں بہت

کوئی متنفس تھا نہ وہاں باہر بھی پھرا اندر بھی گیا

کیا گذری جو اک پردے کے عدو رو رو کے پولس سے کہتے تھے

عزت بھی گئی دولت بھی گئی بی بی بھی گئیں زیور بھی گیا

اکبر کے جو مرجانے کی خبر ساقی نے سُنی تو خوب کہا

مرنا تو ضروری تھا ہی اُسے رندوں کے لیے کچھ کر بھی گیا

الف ۸۰

کیا خبر کونسا قانون سزا دیگا مجھے — مجھپر الزام ہی مذہب کی طرفداری کا

مال گاڑی پہ بھروسا ہو جنھیں اے اکبر — اُنکو کیا غم ہے گناہوں کی گرانباری کا

۸۱

سعادت ہے تری دُھن میں خودی سے بے خبر ہونا — ترے ہونیکے آگے کچھ نہیں ہونا ہے ہر ہونا

تعجب خیز ہے انشائے ہستی پر نظر ہونا — خبر کا شوق رکھنا ابتدا سے بے خبر ہونا

زمیں زیرِ قدم پا کر بشر نے پاؤں پھیلائے — نہ رکھا یاد اُسنے چرخ کا بالائے سر ہونا

قیامت ہے مرا جوشِ طبیعت اُنکی کم عمری — مرا بے چین ہونا اور اُنکا بے خبر ہونا

پریشاں ہو کے کھو جانے میں اک معنی ہیں اے اکبر — نہیں تو بات کیا ہے عاشقِ زلف و کمر ہونا

سیہ خانہ وہی ہے اور وہی سوزِ غمِ فرقت — مرے کس کام آیا آپ کا رشکِ قمر ہونا

مٹا دو رنگ وحدت میں خودی کا نقش اے اکبر — اگر ثابت کیا چاہو تم اپنا معتبر ہونا

۸۲

جلوہ عیاں ہے قدرتِ پروردگار کا — کیا دلکشا یہ سین ہے فصلِ بہار کا

نازاں ہیں جوشِ حسن پہ گلہائے دلفریب — جوبن دکھا رہا ہے یہ عالم اُبھار کا

ہیں دیدنی بنفشہ و سنبل کے پیچ و تاب — نقشہ کھچا ہوا ہے خط و زلفِ یار کا

۹۴ انکو مرا عریضہ پہنچا ضرور ہوگا — لیکن جواب کیسا مانع غرور ہوگا

۹۵ کرو سکوت نہیں وقت اعتراض اکبر — فضول بحث سے اپنوں کو تم نے غیر کیا

۹۶ افسوس ہے کہ زندہ ہوں کہنا پڑا یہ حال — کیا مختصر جواب یہ ہوتا کہ مر گیا

۹۷ زبان سے بے تعلق دل کو برہم یار میں دیکھا — تعجب خیز ضبط اس محرم اسرار میں دیکھا

ادھر تسبیح کی گردش میں پایا شیخ صاحب کو — برہمن کو ادھر الجھا ہوا زنار میں دیکھا

مگر عشق حقیقی کا کوئی رشتہ نہ تھا دل میں — فقط نفسانیت کا پیچ و خم ہر تار میں دیکھا

وہ بانکا قاتل آئینے کی کچھ پروا نہیں کرتا — کبھی دیکھا بھی اپنا عکس تو تلوار میں دیکھا

زمانے نے مرے آگے بھی دنیا پیش کر دی تھی — مگر میں نے تو اپنا فائدہ انکار میں دیکھا

صفت مسجد میں جو آئے نظر عزت کرو اسکی — یہ سمجھو تم اسے اللہ کے دربار میں دیکھا

۹۹ طریق عمل پہ ہم نے کبھی غور کیا کیا — جو نفس نے کہا وہ کیا اور کیا کیا

ہم سے گناہ گار کی قوت جو چھین لی — بیشک خدا نے رحم کیا جو کیا کیا

۱۰۰ راہ خدا میں صبر کی منزل کی دھوم ہے — میں بھی کروں گا قصد اگر دل ٹھہر سکا

آئین تو کہے ہوں گے نتیجے بہت برے — بچ جاؤں گا میں آپ سے اگر جلد مر سکا

۱۰۱ ٹوٹا ہی تعلق کی نہ رہی ہر طرح مراد — دنیا کو کروں گا ترک میں کیا دنیا ہی نے مجھ کو چھوڑ دیا

۱۰۲ دنیا کو بت بنائے رہا تا دم اخیر — کیا احتساب اسنے کیا تو کیا کیا

کوئی مرے تو پوچھو کہ کیا لے گیا وہ ساتھ — بالکل فضول بحث ہے یہ چھوڑ کیا گیا

۱۰۳ کیا عجیب ہو گئے مجھ سے مرے دوست جدا — دور رہو تو ہیں گلے سے ہوئی آواز جدا

وجہ یاروں کو ہے اس میں ہم حیراں ہیں — سُر سے آواز جدا راگ سے ہے ساز جدا

آسمان کی نہ یہ چالیں ہیں نہ جادو کے ہنر — سب ہیں اس گردش فتاں کے ہیں انداز جدا

اُنکی آنکھوں کی لگاوٹ سے حذر اے اکبر — دین سے کرتی ہے دل کو یہی غمّاز جدا

۱۰۴ پولٹیکل شروں سے ہرگز نہ ساز کرنا — وہ چغد ہے جو چاہے بلبل کو باز کرنا

موسم جو ہو مخالف ہرگز نہیں مناسب — منقار کو قرین آہنگ ناز کرنا

۱۰۵ مستی کو آ گیا ہے روحوں کو پھانس لینا — سب کے گلے پڑا ہے دن رات سانس لینا

ہوش خرد کا نزلہ تکلیف دے رہا ہے — جائز سمجھ لیا ہے یاروں نے کھانس لینا

۱۰۶ کرتے پھرتے ہو یہی تحقیق کس نے کیا کہا — اپنے دل کی بھی خبر تو لو کہ اُسنے کیا کہا

خانساماں دونوں نے سمجھا انہیں انداز سے — کیا بتاؤں کیا کہا بیگم نے میں نے کیا کہا

مولوی نے تو کیا سوڈے سے اقرار وفا — برف سے لیکن یہاں محتسب نے کیا کہا

پوچھئے اُس بت ستمگر سے تو بولا ہی نہیں — وہ بلا آخر پھنس گیا وقت میں ہم نے کیا کہا

کہہ گئے واعظ فسانے یہ بھی اکبر غور کر — مجھ سے فطرت کی زباں میں پیر عشق نے کیا کہا

۱۰۷ رہتا بہت ہے شوق دلیل و قیاس کا — مالک مگر نہیں ہوں میں اپنے حواس کا

۱۰۸ کُل جورِ چرخ میرے ہی حصے میں پڑا — دنیا پڑی تھی پردہ مجھی پر پڑا

۱۰۹ تشنہ دروں کو یکجائی کا جوش آیا تو کیا — چار دن کے واسطے مستی کو بھی ہوش آیا تو کیا

عارضی ہیں موسم گل کی یہ ساری مستیاں — لالۂ گلشن ہوا گر ساغر بدوش آیا تو کیا

دور آخر ہے ہم دنیا کا ہے جام خونِ دل — عیش اس محفل میں بنکر بادہ نوش آیا تو کیا

حد حیرت ہی میں کھا ضعف نے ادراک کو — پیکرِ خاکی کو اس عالم میں ہوش آیا تو کیا

۱۱۰ جان کو نفس کے آغوش میں رہنے نہ دیا — عشق نے دل کو مرے ہوش میں رہنے نہ دیا

وعدۂ فردا تو ہوئی دفع فسردگی — زلف امشب نے مگر جوش میں رہنے نہ دیا

میں تو بدلا نہیں لیکن تری بے مہری نے — زور کچھ طبع وفا کوش میں رہنے نہ دیا

۱۱۱ پری سے اُنکا دل بے ربط نکلا — جنوں سمجھے تھے جس کو خبط نکلا

۱۱۲ بتانِ دہر سے مجھکو تمتع ہو نہیں سکتا — خلوصِ مکان سے باہر تصنع ہو نہیں سکتا
پیچیدۂ دہر میں کتنا خطوں کا ہے غلط راہی — جو رُخ ہو جانبِ مرکز تقاطع ہو نہیں سکتا

۱۱۳ اسقدر زیست سے بیزار کیا تھا غم نے — ملک الموت نے پایا مجھے مشتاق اپنا
مدرجِ حسن حسن کے کھنچا جاتا ہے دل اسکی طرف — کبھی لیگا وہ مجھے شہرۂ آفاق اپنا
دل گیا۔ صبر گیا۔ ہوش گیا۔ جان گئی — شمر دے اے عشق حساب اب تو بیباق اپنا

۱۱۴ پاکر خطاب ناچ کا بھی ذوق ہو گیا — سر ہوگئے تو بال کا بھی شوق ہو گیا

۱۱۵ جہد یہ ہے کہ زمانے کو موافق کرلے — سب کو آتا ہے زمانے کے موافق ہونا
عزتِ عقل ہے یہ جو وہ حاملِ عشق — شاذ و نادر ہے مگر عقل کا عاشق ہونا

۱۱۶ معذور ہوں میں حضرت کو اگر ہے مجھ سے گِلا بے باکی کا
نیکی کا ادب تو آساں ہے مشکل ہے ادب چالاکی کا

۱۱۷ وہ میرے پیشِ نظر تھے فلک نہ دیکھ سکا — چھپٹے تو پھر میں آنکھیں آج تک نہ دیکھ سکا

ایضاً ۱۱۷ تنگ دنیا سے دل اس دورِ فلک میں آگیا — جس جگہ میں نے بنایا گھر سڑک میں آگیا
آسماں کو تو غلط ثابت کیا سائنس نے — عرش باقی تھا سو وہ بھی حدِ شک میں آگیا

۱۱۸ فریبِ سمع و بصر میں آکر تو اے دل کیا ہلاک ہونا — کسی نے سمجھا اسے ترقی کسی نے سمجھا ہے خاک ہونا

۱۱۹ خدا کی ہستی کو یاد رکھنا اور اپنی ہستی کو بھول جانا
نظر اسی پہ ہے اور باتوں کو میں نے بالکل فضول جانا
جنوں ہم ایسوں کو کیا تعجب بہار کا ہے سماں ہی ایسا
صبا کا اٹکھیلیوں سے چلنا خوشی سے کلیوں کا پھول جانا

جہانِ فانی کی انجمن میں یہی تسلسل ہمیشہ دیکھا
اُمید کے ساتھ شاد آنا اُٹھا کے صدمے ملول جانا

شبِ حسرت میں کل یوں جیسے سرگرمِ سخن دل تھا — گئے وہ دن کہ میں دنیا میں خوش رہنے کے قابل تھا ۱۲۰

ایک ساعت کی یہاں کہہ نہیں سکتا کوئی — یہ بھلا کون بتائے تمہیں کل کیا ہوگا ۱۲۱
بڑھتا ہی جاتا ہے سوزِ غمِ فرقت یارب — آج یہ حال ہمارا ہے تو کل کیا ہوگا
ایک دن اور قیامت کھٹک آئیگی اِدھر — اور کیا عرض کروں آپ سے کل کیا ہوگا

یہ فکر چھوڑ کہ دنیا کا حال کیا ہوگا — اسی کو سوچ کہ تیرا مآل کیا ہوگا ۱۲۲
کھلا دیوان ہر اک شورِ تحسیں بزم میں اُٹھا — مگر سب ہو گئے خاموش جب یہ مطلع کا دل آیا

زمانہ جانبِ انصاف ڈھل ہی جائیگا — زبان بند کرو حال کھل ہی جائیگا ۱۲۴

کیا کروں اظہار اپنے حال کا — آئینہ ہے آپ کے اقبال کا ۱۲۵

حدیثِ عافیت کیسی امیدوں کا محل کیسا — ہجومِ یاس میں دل بیٹھے ولول کیسا ۱۲۶
تعجب جوشِ زندگی پہ ہے کہ اس پر ولولہ یہ ہیں — جہاں یہ حسنِ صورت ہو وہاں حسنِ عمل کیسا
یہ سوچ فیض ہے جو ہنستا کی بنا اُسکا طوفان ہے — کنواں موجود ہے گھر میں تو پھر پانی کا غل کیسا

رکھو حرص کو محبت کا غل نہیں اچھا — اس ہستیِ ناقص کا تسلسل نہیں اچھا ۱۲۷
تقصیر جو ہو پیش تبان ہی سے گزر جا — بندی کے بھی حق میں یہ تحمل نہیں اچھا
خاموش رہا میں گلِ تصویر کے آگے — ہر چند مچا غل کہ یہ بلبل نہیں اچھا
یہ ٹھیک نصیحت ہے کہ ہے ہم پہ عمل فرض — یہ وعظ غلط ہے کہ توکل نہیں اچھا
دنیا کے تعلق کو بہت غور سے دیکھا — جزو اُسکا ضروری ہے تو کُل نہیں اچھا

شیخ صاحب جمع ہندی میں کیوں اُلجھے رہے — ہند کا اسلام ہی کچھ ہوش ہی میں داخل ہو گیا ۱۲۸

۱۱۹
نہ پائی دل نے راحت اسقدر بزمِ احبا میں
اُنھوں نے جب دمِ تحسین مرے اشعار پرکھوا
ہوئی جس درجہ کلفت کچھ بیاں ایسے سوالوں سے
یہ تم کسواسطے لکھا یہ تم کسواسطے بولا

۱۲۰
واقف کبھی خوشی سے مرا دل نہ ہو سکا
لیکن یہ غم ہی کیا ہے کہ غافل نہ ہو سکا
توہین سہہ کے دہر میں پاتے ہی کچھ عروج
افسوس ہے کہ دل متحمل نہ ہو سکا

۱۲۱
مزا آسودگیٔ نفس کا کتنا ہی اچھا ہو
حریفِ لذتِ بیتابیٔ دل ہو نہیں سکتا
وہ کیا پابند آئیں ہو پڑے جس پر نظر تیری
مرتب بہرِ منطق ہوش بسمل ہو نہیں سکتا
شمولِ خوں نہیں ہے ابرِ نیساں تیرے قطرے میں
دُرِ تاباں تو بن سکتا ہے یہ دل ہو نہیں سکتا
نظر اپنی خودی پر کر کے کہتا ہے یہی اکبر
یہ جھگڑا ہوش کا ہستی میں کامل ہو نہیں سکتا

۱۲۲
دلِ زخمی سے خوں اے ہمنشیں کچھ کم نہیں نکلا
تڑپنا تھا اگر قسمت میں لکھا دم نہیں نکلا
ہمیشہ زخمِ دل پر زہر ہی چھڑکا خیالوں نے
کبھی ان ہمدموں کی جیب سے مرہم نہیں نکلا
ہمارا بھی کوئی ہمدرد ہے اسوقت دنیا میں
پکارا ہر طرف منہ سے کسی کے ہم نہیں نکلا
تجسس کی نظر سے سیرِ فطرت کی جو اکبر
کوئی ذرہ نہ تھا جسمیں کہ اک عالم نہیں نکلا

۱۲۳
فراغِ طبع ہمکو اپنے ہی غم سے نہیں ملتا
کسی سے ہم نہیں ملتے کوئی ہم سے نہیں ملتا
کیا ہے ذوقِ ترکِ ما سوا نے مجھکو دیوانہ
دل اپنا اُس سے ملتا ہے جو عالم سے نہیں ملتا

۱۲۴
مجھے آتا نہیں اچھی طرح اظہارِ غم کرنا
مگر کچھ منحصر اسپر نہیں اُس کا کرم کرنا
رہِ عرفاں میں حس حظ و الم کا نا مناسب ہے
پسندِ طبع اکبر ہے نہ خوش رہنا نہ غم کرنا

۱۲۵
بساطِ دل تو یہ اور اس پہ یا اللہ غم اتنا
نہ تھی طاقت زباں میں یہ گلے بس کہہ سکے ہم اتنا
نہ ہوں نازاں مجھے پہچان مجھکو یہ بت ظالم
خدا کا نام لیتا ہوں ابھی باقی ہے دم اتنا
خیالاتِ عدو سے ہوش کا سودا ہے اکبر کو
حریصِ بیخودی ہوگا کوئی دنیا میں کم اتنا

۱۳۶ پاس ہی پاس تھی محبت کا پیغام آیا / میں نہ سمجھا کہ یہ جینا مرا کس کام آیا

۱۳۷ عقبیٰ کا یقیں تجھ کو ہوتا جو کم اتنا / دنیا کے حوادث پہ ہوتا الم اتنا

۱۳۸ غور سے دیکھو زمین و آسماں کو منکرو / چل نہیں سکتا ہے خدا کے انتظام اتنا بڑا

سنتے ہیں اکبر کو ہے عشقِ دہانِ تنگِ بت / کام اتنا چھوٹا اور حضرت کا نام اتنا بڑا

۱۳۹ چلنا جو میں چاہوں تو قدم اٹھ نہیں سکتا / لکھنے کی ہو خواہش تو قلم اٹھ نہیں سکتا

ہو عزمِ فغاں کا تو زباں ہل نہیں سکتی / چپکا جو رہوں بارِ الم اٹھ نہیں سکتا

۱۴۰ امتیازِ حسرت و رنج و الم جاتا رہا / غم ہوا اتنا کہ اب احساسِ غم جاتا رہا

بزمِ دنیا میں کہاں سامانِ حشمت کو ثبات / گم ہوئی مہرِ سلیماں جامِ جم جاتا رہا

جس سے تھا خودداریِ اربابِ حاجت کا نباہ؟ / وہ سلیقہ تم سے اے اہلِ کرم جاتا رہا

نقلِ مغرب میں جو چھوڑی ایشیا نے اپنی اصل / گھٹ گئی شانِ عرب حسنِ عجم جاتا رہا

نقشِ صورت ہی کی تزئیں پر رہی جس کی نظر / اس سخن سے حسنِ معنی یک قلم جاتا رہا

۱۴۱ کہاں ہیں ہم میں اب ایسے سالک، کہ راہ ڈھونڈھی، قدم اٹھایا

جو ہیں، تو ایسے ہی رہ گئے ہیں، کتاب دیکھی قلم اٹھایا

اگرچہ راحت کا بھی تھا موقع، نہ مجھے تھا لیکن خیالِ فردا

شبک نہ ہونا تھا چشمِ دل میں، اسی سے بارِ الم اٹھایا

فلک کی گردش کے رنگ ہیں یہ، کہ ہم جھکے ہیں تو نکلے آگے

خدا کی قدرت کے ہیں کرشمے، عرب نے نازِ عجم اٹھایا

۱۴۲ یقیناً ہوتے ہیں دنیا کی راحت سے الم پیدا / وہ کیا شادی کہ جس شادی سے ہو اک عالمِ غم پیدا

۱۴۳ فلک سے گو کہ مجھے شکوۂ مظالم تھا / مگر میں خود طلبِ عافیت سے نادم تھا

بحث میں عفو و سزا کے یہ لڑتے مرتے ہیں — فیصلہ کر ہی دو اب اپنے گنہگاروں کا
بے خطر پھرتا ہوں بازارِ جہاں میں ہر سو — کیسہ خالی ہے تو کیا خوف ہے عیاروں کا
فطرت اُٹھی ہے شفاعت کو ملائک ہیں خموش — حشر ہے عشق و محبت کے گنہگاروں کا

١٥٤ جہاں میں حال مرا اس قدر زبوں ہوا — کہ مجھکو دیکھ کے بسمل کو بھی سکون ہوا
غریب دل نے بہت آرزوئیں پیدا کیں — مگر نصیب کا لکھا کہ سب کا خون ہوا
وہ اپنے حسن سے واقف میں اپنی عقل سے سیر — اُنھوں نے ہوش سنبھالا، مجھے جنون ہوا
امید چشم مروت کہاں رہی باقی — ذریعہ باتوں کا جب صرف ٹیلیفون ہوا
نگاہ گرم کرسمس میں بھی رہی ہمپر — ہمارے حق میں دسمبر بھی ماہ جون ہوا

١٥٥ جدا رہتا تو ہوں تمسے مگر دل خوش نہیں رہتا — جو بس ہوتا جہاں رہتے ہو تم میں بھی وہیں رہتا

١٥٦ خوشی تو ایسی کوئی نہ دیکھی، کہ اُس کی مستی زیادہ رہتی
مگر غم ایسا ہوا مجھے اب، کہ حشر تک ہوش میں ہوں گا
گلوں کی فرقت کے داغ ابتک ہرے ہیں سینے میں اے گلستان
چمن میں میں خاک اُڑا چکا ہوں تو پھول کس دل سے اب چنونگا

١٥٧ پائے رفتار تو ہو جاتے ہیں ہم میں پیدا — رہنما بننے کی ہوتی نہیں آنکھیں پیدا
اُن نگاہوں سے تعلق کی یہ جلدی کیا ہے — حضرتِ دل ابھی کچھ خون تو کرلیں پیدا

١٥٩ غوغائیوں سے اسکے سوا اور کہیں کیا — تاریخ میں سب کچھ ہے یہ بتلاؤ تمھیں کیا

١٦٠ عبث طولِ اَمل یہ ہے جہاں ہوگا جنہیں ہوگا — نہیں ہے دور وہ ساعت کہ تو زیرِ زمیں ہوگا

١٦١ یہ بت مجھے نہیں دیتے امان شکرِ خدا — خدا کی راہ میں جاتی ہے جان شکرِ خدا
اجل کے شوق میں پروائے زندگی نہ رہی — نظر میں ہیچ ہے سارا جہان شکرِ خدا

براے مشقِ ستم پالیا مرے دل کو خود — عجب نہیں جو کرے آسمان شکرِ خدا
وفا نہ کی بت بیدین نے ہمسے لے اکبر — غلط ہی تھا وہ ہما را گمان شکرِ خدا

۱۶۲ معنی کو چھوڑ کر جو ہوں نازک بیانیاں — وہ شعر کیا ہے رنگ ہو لفظوں کے خون کا

۱۶۳ نہ رازِ آسماں جانا نہ کچھ حالِ زمیں جانا — ہوئیں بحثیں بہت اور در حقیقت کچھ نہیں جانا

۱۶۴ وہ راز جو غیر نے کھچی ہے وہ ہرگز نہ کھاؤنگا — اگر ہے زندگی باقی تو اچھا ہو ہی جاؤنگا

۱۶۵ ستم تکلّف ہی سہی چاکِ گریباں اتنا — کل کچھ اس سے بھی سوا آج تو جی ہلاں اتنا
برہمی زلف مصیبت کی ہو حسن رخ عشق — قدرداں دل ہو تو پھر کیوں ہو پریشاں اتنا

۱۶۶ مری آہوں کو وہ فرعون طینت کچھ نہیں سمجھا — مگر جسکو سمجھ تھی اس نے موسیٰ آفریں سمجھا

۱۶۷ جو بعد مرنے کے رہگیا کچھ سمجھ سکا یہ کہ مرگیا ہوں
تو زندگی سے نجات پانے کی میں توبعید خوشی کروں گا

۱۶۸ خلقت کے لیئے واضع قانون ہی اچھا — جو چل نہ سکے اس پہ وہ مجنون ہی اچھا
کیا سختیٔ موسم جو ہو مطلب کے موافق — ان برف فروشوں کیلئے جون ہی اچھا
دعوت بھی بہت خوب ہو احباب کی خاطر — لیکن جو اثر ہو تو مضمون ہی اچھا
منطق کو فائدہ کیا ان سینہ کاویوں کا — مطلب یہاں پتا جس ہو مذہب ہیں اولیوں کا

۱۷۰ بساطِ جس ہو کم انساں ہوا ہی ناتواں پیدا — اسی کم مائگی نے کر دیئے کب اور کہاں پیدا
اگر موجِ نفس میں آئیں موجیں جوشِ معنی کی — حبابِ زندگی ہی سے ہو بحر بیکراں پیدا
کہاں سے اسمیں خوے جو رآئی میں نہیں واقف — میں جب پیدا ہوا تو ہو چکا تھا آسماں پیدا

۱۷۱ ادھر خیال نہیں مصلحان نیشن کا — کہ فرطِ ضعف نہیں وقت آپریشن کا

۱۷۲ مجھی پہ جب گذرتی ہو تو اب انکار کیا معنی — جو کوئی دوسرا کہتا تو مشکل سے یقیں آتا

حیات اب مجھ سے کہتی ہے کہ میں مجبور ہوں ورنہ
کسی پر بار ہو کر مجھ کو رہنا خوش نہیں آتا

۱۷۳
میں کب کہتا ہوں اے واعظ کہ میں نے راز دیں سمجھا
فقط اتنا ہی سمجھا ہوں کہ تو بھی کچھ نہیں سمجھا

مگر اظہار عجز عقل میں بھی ایک لذت ہے
کہ خوان فکر پر میں اسکو نمک اب تک نہیں سمجھا

روش ذہن بشر کی مدعی مطلق نہیں سمجھا
ترقی سے رہا محروم عادت کو یقیں سمجھا

۱۷۴
فنا کے دور میں اس آسماں سے کیا ہوگا
چنیں سے ہوگا چناں پھر چناں سے کیا ہوگا

۱۷۵
ایمان جیت کر بھی ایمان ہی رہے گا
شیطان ہار کر بھی شیطان ہی رہیگا

۱۷۶
شہر میں بٹن جب لگنے لگے جب دھوتی سے پتلون اُگا
ہر پیڑ پہ اک پہرا بیٹھا ہر کھیت میں اک قانون اُگا

۱۷۷
اے فلک دل کی ترقی کا جو ساماں ہوتا
طاعت حق کا ستارا بھی درخشاں ہوتا

جان لیتا جو شبستان فنا کا انجام
صورت شمع ہر اک بزم میں گریاں ہوتا

غنچہ مرجھا کے گرا شاخ سے افسوس نہ کر
کھل بھی جاتا تو یہی تھا کہ پریشاں ہوتا

ناصحا نالہ و زاری پہ ملامت ہے عبث
چپ بھی ہوتا تو مرا راز نہ پنہاں ہوتا

کس مپرسی کا گلا کچھ نہیں مجھ کو اکبر
حال ہی کیا تھا کہ جس کا کوئی پرساں ہوتا

۱۷۸
چمن دہر میں مایوس رہا میں اکبر
کاش اک پھول بھی تو زینت داماں ہوتا

دنیا کا حسن مجھ سے لاعلم ہے تو باشد
افسوس کیا کہ مجھ کو شیطان نے نہ جانا

۱۷۹
رضائے حق پہ راضی رہ یہ حرف آرزو کیسا
خدا خالق خدا مالک خدا کا حکم تو کیسا

خزاں پھرتی ہے آنکھوں میں چمن کا کیا مزا آئے
فنا جب ہو رہی ہو تو لطف رنگ و بو کیسا

مئے گلرنگ سے جس مسلم ناداں کو رغبت ہے
خدا جانے رگوں میں اسکی بہتا ہے لہو کیسا

گھٹا کر دین کو عزت تری بڑھ سکتی ہے کیونکر
طریق کفر میں اے دوست حفظ آبرو کیسا

١٨٠ اُس کو نہ پا سکا مگر اس غم میں رو سکا — یہ بھی ہے اُس کا فضل کہ اتنا تو ہو سکا
کوشش یہ تھی ہو دوئی کو میں گم کر دوں عشق میں — دقت یہ ہو گئی کہ فقط عقل کھو سکا

١٨١ سہلنس کے دنیا میں مر کوئی کوئی رو کے مرا — زندگی پائی مگر اُس نے جو کچھ ہو کے مرا
ہی آتا مرنے سے وہ جس کی خدا پر تھی نظر — جس نے دنیا ہی کو پایا تھا وہ سب کھو کے مرا
تھا لگا رہتا یہ غفلت سے دوئی کا دھبا — تھا وہی صوفی صافی جو اسے دھو کے مرا

١٨٢ اب غم کا بھی حق مجھ سے ادا ہو نہیں سکتا — ہے دل مضمحل اتنا کہ بہت رو نہیں سکتا
افسوس کہ راحت تو مجھے مل نہیں سکتی — اور جان بلا علم جدا کھو نہیں سکتا

١٨٣ خرد سے انکشاف راز ہستی ہو نہیں سکتا — یہ احساس راز کی عظمت کو لیکن کھو نہیں سکتا
جو ہے آرام دہ بستر تو دروازہ شکستہ ہے — مصیبت دیکھئے نیند آ رہی ہے سو نہیں سکتا

١٨٤ مرنے والا مر گیا اور رونے والا رو چکا — ہاں اسے یہ ہستی اگر مقصود ہستی ہو چکا
اب جنوں سے کام لو گے اب رہ تحقیق میں — عقل کے پیچھے تو اتنا وقت اپنا کھو چکا

١٨٥ جان بچنے کی نہیں وقت جب آئے گا — دوستی بھی ملک الموت سے ہو جائے تو کیا
تا نہ گی طبع کی ممکن ہی نہیں ہجر کی شب — قصہ سنکر یہ تکلف کوئی سو جائے تو کیا

١٨٦ مرتبہ دنیا میں اس سے بھی سوا ہو آپ کا — یاد رکھئے گا کہ میں بھی ہوں دعا گو آپ کا
شیخ صاحب میں ضرورت سے فقط مجبور ہوں — ورنہ میرا بھی عقیدہ ہے وہی جو آپ کا
ہم کو اپنے البم پر ناز کا ہے کیا محل — بے حد ارزاں ہو گیا ہے اب تو فوٹو آپ کا
آپ کے درشن مصور کے بھی حصے میں نہیں — بس لیا جاتا ہے فوٹو ہی سے فوٹو آپ کا
اپنی ہستی پر عبث ہے آپ کو اکبر وثوق — اسکا مالک اور ہی ہے نام ہے گو آپ کا

١٨٧ اس نے تو از رہ ہمدردی میں نہیں ہمکو کچھ غرض — سقراط بولے کیا اور ارسطو نے کیا کہا

پھر خدا جانے یہ دیں ہمکو اطلاع   صاحب کا کیا جواب تھا یا بو نے کیا کہا

۱۸۹ ننگا وٹوں سے یہ دل کھوٹا فریب دیکھ شتاباہ کرنا

غضب ہے ہم کو سمجھ نہ آئی انھیں کو آیا نگاہ کرنا

ستم سے وہ دل مرا دکھائیں اور اپنے عشوؤں کی داد چاہیں

عجب تماشا ہے دل کا رونا زبان کا واہ واہ کرنا

یہ داغ پر داغ دل کے اندر یہ ناتوانی یہ جان مضطر

مرے مشاغل کی کچھ نہ پوچھو اداس رہنا او راہ کرنا

---

۱۹۰ شکل تسکیں مرے دل کو مرے اللہ دکھا   راہیں سب بند ہوئیں اپنی طرف راہ دکھا

چھپکے وہ مہر کہ گم ہوں یہ چراغ اوہام   نور عرفاں سے ہو ساطع وہ شب ماہ دکھا

آنکھ کو صورت فانی نے کیا ہے پرخوں   چشم باطن کو مرے معنئ دلخواہ دکھا

---

۱۹۱ خدا کا چاہنا ہی چاہنا ہیں کچھ نہ چاہونگا   جہاں تک ہو سکیگا بندگی کا حق نباہونگا

ہند میں بت کو چاہنا ہی پڑا   برہمن سے نباہنا ہی پڑا

اسقدر درد ہو تو ضبط کہاں   دل کو آخر کراہنا ہی پڑا

---

۱۹۲ آپ کے ہاتھ میں ہیں ہاتھ نہیں دے سکتا   داد دیتا ہوں مگر ساتھ نہیں دے سکتا

---

۱۹۳ کل مدح مری وہ کرتے تھے اور بزم میں ہیں شرمندہ تھا

میں کچھ بھی نہ تھا اور تھا بھی اگر اس وقت میں تھا جب بندہ تھا

تھا کیا ہی سماں تھی کیا ہی وہ شب سینے ہی میں تھے اسباب طرب

ہر حرکت دل اک نغمہ تھی ہر تار نفس سازندہ تھا

گو دیر میں طالب میرے تھے جتنے بھی ہیں پایا میں نے مگر

اس وقت تو صورت اچھی تھی خطرے کا محل آئندہ تھا
افسوس ہے اُسنے قدر نہ کی اور دل کو مرے برباد کیا
بامعنی تھا پائندہ تھا اک گوہر تھا تابندہ تھا

---

۱۹۵ مانا کہ معذرت سے وہ روبراہ ہوگا — اس سوء ظن میں لیکن کب تک نباہ ہوگا
بیداد بت کو اکبر سہنا ہے بے تردد — کوئی تو ہوگا کہ جس سے وہ دادخواہ ہوگا

---

۱۹۶ جیسی دل میں ترنگ آ جائے — عشق و مستی کا قاعدہ کیا
رکھ اپنی نظر سوئے ہو اللہ — تو تو انہیں سے فائدہ کیا

---

۱۹۸ گرم و سرد دہر سے سالک کبھی رکتے نہیں — چلتی رہتی ہیں ہوائیں مانگ کیا بیٹھا کیا

---

۲۰۱ تو ہی ہے نا مرے دل کا اٹھانے والا — اے جنوں اب اور نہیں پاس آنے والا
۲ ہوش اُڑا دیتا ہے الٰہی خاک کے پتلے کا جمال — تو وہ کیا ہوگا انہیں ہوش میں لانے والا
داغ دل ہی کا سہارا ہے فقط اے اکبر — قبر پر کوئی نہیں شمع جلانے والا
۵ اپنے سمجھانے کا دروازہ کرو بند اکبر — اب نہیں کوئی سوا موت کے آنے والا

---

۲۰۲ زمانا میرے زخم دل کو ہرگز سی نہیں سکتا — یہ دل شائد مگر آرام سے اب جی نہیں سکتا
۶ بشر کو زندگی میں غفلت امید فردا ہے — مگر وہ تم بشر ہی اپنے مقصد سے وہ جی نہیں سکتا
خدا ہی سے بالآخر کام پڑتا ہے اے اکبر — نہیں ہوتا کسی کا کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا

---

۲۰۴ عشق میں حسن بیاں وجہ تسلی نہ ہوا — لفظ چمکا مگر آئینہ معنی نہ ہوا
دل میں کہتے تھے کہ یہ ہوگا وہ ہوگا لیکن — کٹ گئی عمر امیدوں ہی میں کچھ بھی نہ ہوا

---

۲۰۵ غم و تکلیف سے خالی فقط اک حس ہو ہستی کا — نہ چشم غیر میں ہوا اور نہ سودا خود پرستی کا
۶ یہی حالت ہے جس کی آرزو ہے اہل باطن کو — یہی لذت ہے جس کا حس فلک ہے اوج مستی کا

مذہبی جنگ اب ہے دنیا کے لیئے — دین بھی کچھ ہو اگر نقلی تو کیا
نفس ہی کی خواہشوں کا ہے نفاذ — روح نے مذہب کو ڈگری دی تو کیا
آز و دولت میں خود واعظ ہیں غرق — دوسروں پر نکتہ چینی کی تو کیا
بزم ساقی کی کہاں وہ مستیاں — چھپ کے اکبر نے اگر پی بھی تو کیا

۲۰۷ اگرچہ تلخ ملا جام عمر فانی کا — مگر محل نہیں ساقی سے بدگمانی کا
میں آہ کر نہ سکا ضبط کی ہوئی تعریف — رہو نگا شکر گذار اپنی ناتوانی کا
بعید روح کے خالق سے ہی ملاکی شوق — اگرچہ حق ہو اُسے نازلن ترانی کا
سوا خدا کے کسی کا خیال آنہ سکا — غموں نے کام دیا دل کی پاسبانی کا

۲۰۸ یہ بات ہو صاف مجھ سے سُن لے کتاب میں اسکو کیا پڑھے گا
حدودِ دُنیا کے ہیں معیّن جو یہ گھٹے گا تو وہ بڑھے گا

خدا کی یاد میں گو جان کو ہو شوق مستی کا — بدن کو کیا کریں جو ہر ہی جسم میں بُت پرستی کا

۲۰۹ جو اہلِ دنیا کا رُخ کروگے سکون خاطر کبھی نہ ہوگا
شریکِ غفلت بہت ملیں گے شریکِ عبرت کوئی نہ ہوگا
یہی ہے مذہب کا جزوِ اعظم کہ دین دنیا پہ ہو مقدّم
نئے طریقے میں لیکن اے دوست ہوگا سب کچھ یہی نہ ہوگا

۲۱۲ حالِ دل خوب کہا ہے یہ زباں کا دعویٰ — دل سے پوچھو تو وہ کہتا ہی کہ کچھ بھی نہ کہا

۲۱۴ ہی بدگماں جو وہ بت پروا نہیں کچھ اسکی — ہر برہمن ہے شیدا اکبر کی کافری کا

۲۱۷ حُسن دیکھو بتانِ کاشی کا — چہرہ ہے چاند پورنماشی کا
چشم تر دیکھکر وہ مِس بولی — محکمہ ہے یہ آب پاشی کا

آپ کی تن وہ واہ صلِ علےٰ — سارا فتنہ ہے ان حواشی کا
ہو گیا فیصل امتحانوں میں — اب ارادہ ہے بدمعاشی کا

۲۱۹ پوچھو گے جب فلک سے تب یہی کہے گا — جو تھا نہ رہ گیا وہ، جو ہے وہ کیوں رہے گا
ہوں گے حباب بھر کر یوں ہی فنا ہمیشہ — موجیں گھٹیں بڑھیں گی دریا یونہیں بہیگا
ذکرِ خدا اسکا ہوگا جس دل کو ذوق ایسا — وہ مطمئن رہے گا غم بھی اگر سہے گا

۲۲۰ علامت روحِ شخصی کی ہوئی کس شے سے تھی پیدا
حوادث یہ کہاں تھے اب ہوئی جن سے خودی پیدا
نگاہیں ہوں تو ویرانے میں بھی آبادیاں دیکھیں
اگر دل ہو تو ہر پہلو سے کر لے دل لگی پیدا

۲۲۱ کچھ نہیں کارِ فلک حادثہ پاشی کے سوا — فلسفہ کچھ نہیں الفاظ تراشی کے سوا

۲۲۳ لکھو لالفت مری ایام جوانی کے سوا — سب بتا دونگا تمھیں "افتدودانی" کے سوا

۲۲۵ خیر انکو کچھ نہ آئے پھانس لینے کے سوا — مجھکو اب کرنا ہی کیا ہے سانس لینے کے سوا
تھی شبِ تاریک چور آئے جو کچھ تھا لے گئے — کر ہی کیا سکتا تھا بندہ کھانس لینے کے سوا

۲۲۸ جو ہے بلند باطن پستی سے وہ بچے گا — گو پستیوں میں پائے افزونیِ مراتب
ہر چند شیر عاجز اور طالبِ غذا ہو — لیکن نہ کھا سکے گا کتوں کے ساتھ راتب

۲۲۹ یہ اسے کرتی ہے روشن وہ مٹاتا ہے اسے — رات سے پوچھو کہ بہتر شمع ہے یا آفتاب

۲۳۰ محاورات کو بدلیں "براہ ریل" جناب — "ٹمٹ بدست"، کہیں اب بجائے پاپڑ کباب

۲۳۱ پہلے تھا نورِ عرفاں خالق سے لو لگی تھی — قومی مباحثوں سے روشن ہوا دماغ اب
وقعت یہ اب ہیں نازاں سوز و گداز رخصت — قبل اس کے شمع تھے وہ ہیں لعل شب چراغ اب

نزع میں انسان سکھ پائے تو خوب — زندگی مرنے کے کام آئے تو خوب ۲۳۲

پنجۂ شیخ سے نکلے تو پریشاں ہیں آب — ٹوٹی تسبیح کے دانے یہ مسلماں ہیں آب ۲۳۳

ضبط کی تکلیف جو کچھ ہو اُسے سہہ لونگا اب — جو مجھے کہنا ہو دل ہی میں اُسے کہہ لونگا اب ۲۳۴

ہر دم خیال رکھیے حق کا اگر ہے طالب — ہر سانس کھینچتی ہے جان آفریں کی جانب ۲۳۵

عاشقانہ آپ کی وحشت نہیں ہے اے جناب — خضر سے جب پوچھتے ہیں راہ ویرانے کی آپ ۱۳۶

بالائے عرش ہیں کہ تہِ آسماں ہیں آپ — دعوے سے قبل دیکھ تو لیجے کہاں ہیں آپ

کیا جرم ہے یہ حال تو جانے خدائے موت — ہر نفس کے لیے ہے گھڑیاں سزائے موت ۲۳۸

کہتی ہے عقل موت یہ ہے بہرِ زندگی — وہ زندگی کہ جو نہیں ہوگی برائے موت

دُنیا کی زندگی تو ہے اک جزوِ موت ہی — اسکا نتیجہ ہو نہیں سکتا سوائے موت

سانچا یہ زندگی ہے فقط روح کے لیے — جب ڈھل چکے تو سانچے کو جائز ہے آئے موت

کیسی ٹھلی اسی کا ہے لازم ہمیں خیال — نعمت بنائیں موت کو کیوں ہو جفائے موت

ہوتا ہے غم ضرور مگر کچھ ہے مصلحت — اللہ کر دے طبع کو رازآشنائے موت

ماضیست کہنہ نقشِ مستقبلست ہیچ — در حالش ار نہ بینی اے وائے بر نگاہت ۲۳۹

بگذار بہ حالِ خودم اے بزمِ تسلی — عبرت زدہ را کار بہ آنوزدگاں نیست ۲۴۰

اگرچہ ذکرِ شہادت پہ جان دیتے ہیں — جو دیکھیے تو ہیں آرام جو حیات پرست ۲۴۱

وہ تیتری ہے یہ بلبل وہ گونج بھونرے کی — بہار باغ نے پیدا کیے نبات پرست

ایں فتنہ کہ برپا شدہ ایں شور کہ برخاست — الزام بہ گردوں منہ از ماست کہ برماست ۲۴۲

وعظ کہنے کو تو موجود ہیں کیسے لیکن — کیا اثر رکھتی ہے اسوقت مسلمان کی بات ۲۴۳

کبھی دیتا ہوں بتوں کو میں عدوے دلِ دیں — آہی جاتی ہے زباں پر کبھی ایمان کی بات

۲۴۴ شرطِ انساں کو سلیقہ ہے سخن گوئی میں — باغباں سے ہو مخاطب تو کرے پھول کی بات
عقلمندی نہیں دیوانۂ دنیا ہونا — نہ کرو رد یہ ہے اک بندۂ مقبول کی بات
پروفیسروں سے ہمیں کچھ نہیں حاصل اکبر — دلِ عاشق میں سماتی نہیں اسکول کی بات

۲۴۵ مغربی ذوق ہے اور وضع کی پابندی بھی — اونٹ پر چڑھ کے تھیٹر کو چلے ہیں حضرت

۲۴۶ معترض بھی کوئی حق گو کبھی ہو جاتا ہے — مگر اس بزم میں یہ ہے کہ جی ہاں ہے بہت
وعظِ تقویٰ نہ کہو رحم کرو اکبر پر — چشم بد دور ابھی طاقتِ عصیاں ہے بہت

۲۴۸ حالِ ما ماضی نشد مستقبلِ ما حال ماست — ہستئ دارم کہ ہر دم گم بہ ہستی خداست

۲۴۹ مشرب ما ہر اقناعت مذہب ما ہر اطریقت — لیئے اگر تو خادم ، ہر کیئے اگر تو رخصت

۲۵۱ عقلِ زاہد عشقِ صوفی میں بس اتنا فرق ہے — اسکو خوفِ آخرت ہے اسکو ذوقِ آخرت

۲۵۲ اگر بینی بطمع جلسہ ندارم اکبر — شدم اندر پسِ مرح سیرم بابیت

۲۵۳ بھائیو تم کبھی بندی کے مخالف نہ بنو — بعد مرنے کے کھلے گا کہ یہ بھی کام کی بات
بسکہ تھا نامۂ اعمال مرا ہندی میں — کوئی پڑھ ہی نہ سکا مل گئی فی الفور نجات

۲۵۴ جی کے مرنے میں کیا ہے ناز کی بات — مر کے جینا ہے امتیاز کی بات
چاہتی تھی زباں کرے توضیح — دل پکارا کہ ہے یہ راز کی بات

۲۵۵ اس سے بڑھ کر کون ہے راہِ فنا میں بیقرار — حشر کی حد سے ہے باہر تیزیٔ رفتارِ وقت

۲۵۹ اٹھتی ہیں تجھ سے یہ آہیں دلِ ناشاد عبث — سننے والا نہیں کوئی تو ہے فریاد عبث
چرخ کہتا ہے ضروری ہے تڑپنے کے لیئے — ورنہ گذری ہوئی باتوں کی ہے اب یاد عبث

۲۶۰ شیخ آنر کے لیے آتے ہیں میدان کے بیچ — ووٹ ہاتھوں میں ہے اپنے قلمدان کے بیچ
وہی قسمت ہے وہی قانون اور اسپر یہ بھیڑ — اے خدا عقل ہے حیران تری شان کے بیچ

عابدوں کے دم سے ہی یہ رونقِ دربارِ صبح — نعرۂ تکبیر سے ہے گرمیِ بازارِ صبح ۲۶۱
جھانکتا ہی اسکی جانب دور سے مہرِ مبیں — خوش نصیب آنکھیں وہ ہیں جنپر کھلیں اسرارِ صبح

یوں تو ہر شے پہ آداسی سی نظر آتی ہے — کس مپرسی میں کوئی شے نہیں مذہب کی طرح ۲۶۲

مولوی گو کہ ہیں شمس العلما پھر بھی ہیں سست — رینگتے پھرتے ہیں پروانۂ بے شب کی طرح ۲۶۲

جسم میں پا تو کبھی تھا شوق سے ہیجانِ روح — یا تعلق جسم سے اب ہو گیا سوہانِ روح ۲۶۳
عقلِ انساں کیوں نہ عاجز ہو ترے ادراک میں — روح ہی کو یہ نہ سمجھی اور تو ہے جانِ روح

گراں نظر پہ ہی مسجد کا پاادب سجدہ — وہ بے خطر ہے جو ہے بزم میں زباں گستاخ ۲۶۴
دلوں کا زور نہ باقی رہا خدا کی طرف — اسی سے لیگ میں جا کر رہی زباں گستاخ

زباں ہو ناتوانی سے اگر بند — مرے دل پر نہیں معنی کے در بند ۲۶۵
ہماری بیکسی کب تک چھپے گی — خدا پر تو نہیں راہِ خبر بند
یہ یادِ پیچ یارانِ نظر بند — کیا ہمنے بھی اب ملنے کا در بند
دلوں میں رہ رہی کا کچھ کمی ہو — نہیں ہی راہ پر آہِ اثر بند
بتِ مشرق نہیں محتاجِ ساماں — کمر ہی جب نہیں کیسا کمر بند
کہونگا مرثیہ اس غم میں ایسا — کھلے معنی دکھائے جسکا ہر بند
خیالِ چشمِ فتاں میں ہوا محو — مرا دل اب ہی سینے میں نظر بند

بہ کارِ دیں ہمہ آمادہ دلِ پرجوش من باشد — مسلماں می شوم سلماں چو در آغوش من باشد ۲۶۷

زبان بند ہے اس عہدِ پُر نگاہ کے بعد — سکوت ہی مجھے رہتا ہی اب تو آہ کے بعد ۲۶۸
رکا ہوا ہی جو سائنس لا الٰہ کے بعد — خدا کو مان ہی لیگا زوالِ جاہ کے بعد
شگفتہ پایا طبیعت کو بعدِ کارِ ثواب — دلیر دل کو نہ پایا کبھی گناہ کے بعد

۵۱- یہ شعر معما ہے

تمھارے عارضِ روشن نے کھول دیں آنکھیں ۔۔۔ میں کہہ رہا تھا کہ اب کیا ہی مہر و ماہ کے بعد

۲۶۹ ہی منتظمِ جہان کا پروردگار خود ۔۔۔ حیرت میں ہیں ہیچ اور ثِ بے اختیار خود

۲۷۰ عزتِ اکبر نہ مثلِ برہمن در دیر بود ۔۔۔ قشقہ بود ش بر جبیں لیکن ز دستِ غیر بود

۲۷۱ ما را ازیں چہ کار ز چشمِ حسن چہ می رود ۔۔۔ دریاب از نگاہ کہ برہمن چہ می رود

۲۷۲ ہوائے گلشنِ طبعِ تو دلکش است اکبر ۔۔۔ کہ از گلِ سخنت بوئے یار سے آید

۲۷۵ یہ ظاہر تھا براقِ راہِ عرفاں ۔۔۔ چو دم بر داشتم لیڈر بر آمد

۲۷۷ گو رہتے ہیں ہم بھی قانی پرشاد ۔۔۔ لیکن نہیں اپنی ناتوانی پرشاد
کونسل میں گھٹاتے ہیں طاقت اپنی ۔۔۔ عاقل ہیں مگر ہمی بھوانی پرشاد

۲۷۸ علم ہم از عشق یک اظہار بود ۔۔۔ چشمِ برز اہشا دو دہانِ یار بود

۲۸۰ مرنے والے ہی کو عزرائیل آتے ہیں نظر ۔۔۔ دوسرے دیکھیں تو پیدا ہو گیا ان کا فساد
پادری سے وہ ملے پہلے تو کیا شیخ کو عذر ۔۔۔ دیکھیے پیرِ کا سہر تو ہے انوار کے بعد

۲۸۲ میری سمجھ میں تو بھی آیا نظر کے بعد ۔۔۔ تفتیش علتوں کی یہاں ہو اثر کے بعد
کچھ روک ابتدا کی کسی سے نہ ہو سکی ۔۔۔ ترکیب سوچتے ہیں مگر کب خبر کے بعد

۲۸۳ غافل یہاں کے لذت و آرام پر نہ ہو ۔۔۔ دنیا میں ہائے ہائے بہت ہو مرنے کے بعد
اک اضطراب دل کو مرے کر گیا خراب ۔۔۔ کیا پوچھتے ہو حالِ زمیں زلزلے کے بعد

۲۸۶ مجھکو تو اکبر کا یہ مصرعہ رہا کرتا ہے وِرد ۔۔۔ جمع ہیں اولادِ آدم ہند کے گیہوں کے گرد

۲۸۹ نہ تنہا وجد میں بلبل ہے میری خوش بیانی پر ۔۔۔ گریباں چاک گل بھی ہے مرے رنگِ معانی پر
تری چوٹی جو پہنچی ایڑیوں تک اس پہ جھنجلا کیا ۔۔۔ یہ پابوسی تو واجب تھی بلا سے آسانی پر

۲۹۰ جمتا نہیں یقین کوئی میرے ہوش پر ۔۔۔ کاموں کی یاں بنا ہے فقط دل کے جوش پر

کیونکر دیکھ سکے اُس جمال کو ۔۔۔ جسکا خیال برق گراتا ہے ہوش پر

۲۹۱ تو وضع پر اپنی قائم رہ قدرت کی نگر تحقیر نہ کر
دے پائے نظر کو آزادی خود بینی کو زنجیر نہ کر
گو قید اعمل محدود رہے اور اپنی ہی حد مقصود رہے
رکھ ذہن کو ساتھی فطرت کا ہند اُس پہ در تاثیر نہ کر
باطن میں اُبھر کر ضبط فغاں، لے اپنی نظر سے کار زباں
دل جوش میں لا فریاد نہ کر تاثیر دکھا تقریر نہ کر
تو خاک میں مِل اور آگ میں جل جب خشت بنے تب کام چلے
ان خام دلوں کے عنصر پر بنیاد نہ رکھ تعمیر نہ کر

۲۹۲ جینا وہ ہے کہ مستی ہو اوج معرفت پر ۔۔۔ جینا وہ ہے کہ جو ہو اُمید آخرت پر
کیا ہو بنائے الفت آخر منا سبت کیا ۔۔۔ میں خاک بیکسی پر وہ تخت سلطنت پر

۲۹۳ قیامت ہے یہ ضد ضبطِ فغاں ہو اسلیئے مجھکو ۔۔۔ کہیں نازاں نہو میری مصیبت اپنی شدت پر
زبان و چشم و دل درد و ست و پا سے کام لو ایسے ۔۔۔ کہ روز حشر نازاں ہوں یہ اپنی اپنی حالت پر

۳۹۴ اثر اسکا ہے کم ہم بادۂ وحدت کے مستوں پر ۔۔۔ عدو نے فتح پائی ہے تو تم سے بت پرستوں پر

۲۹۵ بہت مشکل ہے تو عمر و نکا بچنا اُسکے عشووں سے ۔۔۔ نئی آنکھوں کے آگے آتی ہے دنیا نئی ہو کر

۲۹۸ نا زاس ظاہر طہارت پر نہ اے مغرور کر ۔۔۔ حرص دنیا خود نجس ہے یہ نجاست دور کر

۲۹۹ تمہارے کھیت سے لیجاتے ہیں بندر چنے کیونکر ۔۔۔ یہ بحث اچھی ہے اس سے حضرت آدم بنے کیونکر

۳۰۳ گِلا جورِ فلک کا تو بہت کچھ رو چکا اکبر ۔۔۔ سرِ تسلیم خم کر زور بازو ہو چکا اکبر

۳۱۱ نہ پوچھو کیا اثر اس مصرعہ اکبر کا ہے ہمپر ۔۔۔ ہر اک کے علم کا ہے خاتمہ واللہ اعلم پر

۳۱۲ فلسفی بھی نوحہ گر ہیں ذہن کے مقسوم پر — پاتے ہیں معلوم کی بنیاد نا معلوم پر

۳۱۳ مجھکو جائز نہیں یہ عرض کہ بیداد نہ کر — انکو زیبا ہے یہ ارشاد کہ فریاد نہ کر

شیخ کہتے ہیں کہ پیرونکی پرستش بھی ہے فرض — ماسٹر کہتے ہیں اللہ کو بھی یاد نہ کر

وحشت انگیز ترقی ہے تہ چرخ اسوقت — تو بگولا نہ بن اور عمر کو برباد نہ کر

۳۱۵ حسن سنبل سے جو ہو زلف بتاں کا سودا — چھوڑ دے سیر چمن کفر کی امداد نہ کر

جواہر ریزیاں میری زباں کی — زمیں بھی سن رہی ہے کان بنکر

جو قالب بن گئی ہے یہ تو مٹی — یہ کیا شے ہے جو چمکی جان بنکر

پئے شوق بقا تھا خانۂ دل — فنا کیوں بس گئی ارمان بنکر

۳۱۶ وہ دولت کیا رہی دو دن جو تجھسے متصل ہو کر — ترقی تو وہ ہے رہجائے دل میں جزو دل ہو کر

ہوائے نفس کے تابع ہیں جنکے جسم اے اکبر — انھیں کی روح رہتی ہے بدن میں مضمحل ہو کر

۳۱۸ فلک منزل ہو گئی ان کا گذرنا دیکھکر — زندہ دل میں ہو گیا اوروں کا مرنا دیکھکر

آسماں کی چھت بہت نیچی سر نخوت کو ہے — کبر سے کہہ دو کہ دنیا میں ابھرنا دیکھکر

زیست بے وقعت ہوئی ہے بہر شوق زیست سے — موت حیراں ہے مرا مرنے سے ڈرنا دیکھکر

۳۲۱ قصد تو جائز ہے لیکن اپنا قابو دیکھکر — ہاتھ اٹھانا چاہیے انساں کو بازو دیکھکر

۳۲۲ بھروسا باغ ہستی میں نہیں کچھ نخل قامت کا — نفس کیا ہے ہوا کی بیل ہے دھوکے کی ٹٹی کا

۳۲۶ مبتلائے بحث کو راز خدا کی کیا خبر — معنی بے لفظ و لفظ بے صدا کی کیا خبر

پایا اک ہنگامہ ہم بھی ہو گئے اسمیں شریک — ابتدا کا علم کیسا انتہا کی کیا خبر

۳۲۸ ظاہر ہوئی کمیٹی و کالج کی اک لکیر — آخر اسی لکیر کے سب ہو گئے فقیر

مرکز جو فطرتی تھے انھیں اب نہیں قرار — چکر میں خود پھنسے ہیں ہمارے امیر و [illegible]

سوجھتا لکچر ترقی کا تو ہے ہر بات پر — ختم لیکن ہو کے رہجاتا ہے میری ذات پر ۳۲۸

Very busy

وہ ٹال دیتے ہیں مجھکو ویری بزی کہکر — میں اُٹھ ہی آتا ہوں الفاظِ عاجزی کہکر ۳۲۹

فطرت کی یہ سازش دیکھ ذرا الزام نہ دے پھنس جانے پر ۳۳۰
یہ سوچ پڑی طائر کی نظر کیوں دام سے پہلے دانے پر

مشکل ہی کیا ہے گرنا پائے بتاں پہ رو کر — لیکن میں پاؤں گا کیا اپنا وقار کھو کر ۳۳۱

میں کیا پاؤنگا اکبر بتکدے میں حاضری دیکر — یہ بت رہجائینگے تھوڑی سی دادِ کافری دیکر ۳۳۲
کہاں تک اہلِ دنیا سے کروگے معذرت اکبر — یہی بہتر ہے چلدو اک جواب آخری دیکر

جب مسرت منحصر ہو سعیِ کفر آمیز پر — صبر کرنا چاہیے حالاتِ دردانگیز پر ۳۳۳

ہستی میں ہے مستیِ وحدت میں فنا ہو کر — عالم کو میں کیوں دیکھوں عالم سے جدا ہو کر ۳۳۴
فتوائے خرد جو ہو دل کی تو صدا یہ ہے — فانی ہے جدا ہو کر باقی ہے خدا ہو کر

مزا ہے عالمِ حیرت میں پاک طینت کو — عجیب نور برستا ہے چشمِ نرگس پر ۳۳۵

Whisper

فروغِ دل جو ہو منظور بزمِ ہستی میں — اشارہ شعلے کا دیکھ اور ہوا کی سن وسپر

چشمِ بد دور آپ تو ہیں آپ ہی اپنی نظیر — ناتوانی سے غلام اور علم سے روشن ضمیر ۳۳۶

اکبر خدا کو مان زمان و مکاں کو چھوڑ — عرفاں کا ذوق اگر ہے تو کب اور کہاں کو چھوڑ ۳۳۷
پابند کر نہ ساعت و ساحت کا ذہن کو — دارِ فنا میں حسرتِ نام و نشاں کو چھوڑ
رنگِ زمانہ رائے کی کثرت سے ڈر نہ جا — سارا جہاں ہو مُصِر تو سارے جہاں کو چھوڑ

مسجد نے کہا میرا فسانا بھی ہے اک چیز — کالج نے پکارا کہ زمانا بھی ہے اک چیز ۳۳۸
واعظ کی بلاغت بھی بڑی چیز ہے لیکن — سچ بات یہ ہے دل میں سمانا بھی ہے اک چیز

جیسی حالت پیش آتی ہے زمانے میں ہمیں — ذہنِ انسانی میں ویسا ہی اترتا ہے عکس

یہ مواقع ہیں کہ ہو جاتے ہیں وجہ اختلاف — آئینے کا رخ جہاں بدلا بدل جاتا ہے عکس

۳۴۷ چیستی اکبر بگو مجموعۂ اعمال خویش — بعد ازاں بنگر بیاد آخرت در حال خویش

۳۵۱ ہے یہ رفتار جہاں کونسی حالت کی طرف — بس ہوا اب سکا ہی ہے کہ قیامت کی طرف

۳۵۲ وضع و روش اطفال کی ہے قوم پہ بار گراں — رسموں کا شکوہ اک طرف مذہب کا رونا اک طرف
کہتے ہیں لڑکے بھی مگر کالج سے فرصت ہے کہاں — یہ ساری باتیں اک طرف اور پاس ہونا اک طرف

۳۵۳ نشاط طبع پہ ہٹتی خوبیٔ بیاں موقوف — دل نگار نے کی شوخیٔ زباں موقوف

۳۵۴ الاماں اے زخم دل اے شدت سوز فراق — المدد اے مرگ مجھ پر زندگانی اب ہے شاق
روشنیٔ طبع وہ مجھ میں کہاں ہے دوستو — شمع مردہ ہوں مجھے رہنے دو اب بالائے طاق

۳۵۸ یہ سوز داغ دل یہ شدت رنج و الم کب تک — ہمارے ہی لیے یہ جور گردوں ہے تو ہم کب تک
یہ دفتر ختم ہو ہی گا بھلا ہی دیگا دہر اسکو — یہ حسن کب تک نظر کب تک زباں کب تک قلم کب تک
جو ہیں اہل بصیرت کہتے ہیں اکثر یہ اکبر سے — غنیمت ہے ترا دم ہند میں لیکن یہ دم کب تک

۳۵۹ نگاہ اولیں کے دام میں الجھی ہے اک دنیا — نصیب ہر نظر کب ہے پہنچنا حد حیرت تک

۳۶۲ من از تیغ جفائے چرخ گرداں کشتہ بسمل — مخواں مارا بہ بزم عیش خود اے منعم غافل
ترا سرو است شمشاد است مارا آہ و فریاد است — ترا باغیست اندر دہ مرا داغیست اندر دل

۳۶۳ کوئی سنتا نہیں تیری تو اس بکنے کا کیا حاصل — کوئی منزل نہیں درپیش پھر تکنے کا کیا حاصل
اشارہ چشم شوق مشرقی سے ہے یہ مغرب کا — جو قوت ہو تو بسم اللہ منہ تکنے کا کیا حاصل

۳۶۵ کھلتا بہت سکوت سے رنگ بہار دل — لیکن نہ اٹھ سکے گا خموشی سے بار دل

۳۶۶ کچھ نہ سمجھا شب فراق کا حال — کھل گیا یار کے نداق کا حال
اعتبار آپ کو نہ آئے گا — کیا کہوں اپنے اشتیاق کا حال

فکرِ دنیائے فانی کی خلافِ شانِ دل ہے — کیجئے ذکرِ خدا سے حاصل اطمینانِ دل ۳۶۷

یار نے پوچھا میں کیا ہوں دل سے نکلی یہ صدا — حاصلِ دل مقصدِ دل مطلبِ دل جانِ دل

سرتاپا شانۂ نکا، کاٹا ان کا پانوں کو — وہ ہوئے ٹھنڈے گئے یہ بھی پگھل ۳۶۸

شیخ کو یخ کر دیا مومن کو موم — دونوں کی حالت گئی آخر بدل

واعظا ایں نہ جنون ست کہ کافر شدہ ام — اولت راشدہ تم است ومن آخر شدہ ام ۳۷۲

کر دیں جو بیکسوں سے ذرا یہ غرور کم — جب بھی نہیں رہیں گے کسی سے حضور کم ۳۷۴

دکھا رہی ہے یہ ترکیب حسنِ طبعِ سلیم — علی کی تم میں جگہ ہو تو بس وہ ہے تعلیم ۳۷۶

عقل مذہب سے دوستی رکھے — نہ تو دشمن ہو اُس کی اور نہ غلام ۳۷۷

زبان علم کی گو متبع ہے وقتِ کلام — مگر یہ تابعِ حکمت نہیں بوقتِ طعام ۳۷۸

کبھی اسلام لائے تھے کہ ہو دینِ خدا قائم — اور اب مشرب بدلتے ہیں کہ ہو اپنا چھپا قائم ۳۸۰

بت پوچھتے ہیں مجھ سے کیوں اللہ اللہ ہر دم — میرا جواب یہ ہے واللہ جسم انگو ہم ۳۸۱

مولوی ہو ہی چکے تھے نذرِ کالج اس سے قبل — خانقاہیں رہ گئی تھیں اب ہوا اُن کا انہدام ۳۸۲

لکچر و مضمون لکھتے ہیں تصوف کے خلاف — الوداع اے ذوقِ باطن الوداع اے فیضِ عام

بنڈا پے میں تھے وہ بنگلے پر — صبح کے وقت ہنس پڑی اک میم ۳۸۳

جب وہ بولے سجائے کو کروں کوں — مرغِ شاخِ درخت کو ہو تیم

اب جسم میں باقی ہے مسرت کا لہو کم — احباب ہیں مرحوم بہت تھمہ کم ۳۸۴

اس دارِ فنا کی بحثوں میں کیا صرفِ زباں کیا صرفِ قلم ۳۸۵
دنیا کو بقا کیا اے اکبرؔ کے دن کی خوشی کے دن کا الم
دم بھر میں نشاطِ طبع فنا اک آن میں نام جاہ ہوا

کیا بزم طرب کیا شانِ شہی کیا بربط و دف کیا طبل و علم

۳۸۶ کوئی موقع نہیں ہے ہنسنے کا — سب کو معلوم ہے کہ میں کیا ہوں
ہو گئی ہے امیدِ مرگ قوی — کل کی نسبت تو آج اچھا ہوں

۳۸۷ دست بستہ پا شکستہ دل فسردہ لب پہ مہر — کچھ نہ پوچھ کرتا ہے ہر اک اے خدا میں کیا کروں
یہ دلِ بیتاب مجھکو کر رہا ہے کیوں تباہ — ہو گئی اک بات تھا حکمِ قضا میں کیا کروں
نزع میں پیکِ اجل سے کہہ رہا تھا اک حسیں — تو قضا لایا ہے سر پر اب ادا میں کیا کروں
شکوۂ بیداد کرتا ہوں تو کہتا ہے فلک — خود بخود مجھ سے ٹپکتی ہے جفا میں کیا کروں

۳۸۸ حسنِ فانی کے لیے پیرا درِ دل وا نہیں — نازِ عکسِ بے بقا آنکھوں نے اب اٹھتا نہیں

۳۸۹ یہ شاعر رنگِ شب کو گیسوئے لیلیٰ بھی کہتے ہیں — یہی حسنِ تصور ہے جسے سودا بھی کہتے ہیں
بتوں کے ناز پر اس عہد میں لازم ہے خاموشی — برا کہتے ہیں جو ان کو تو دس اچھا بھی کہتے ہیں

۳۹۰ جہاں سوئی گھڑی کی ہوتی تھی وقت اسکو کہتے تھے — کئی چوری تو ہم سمجھے زمانا اسکو کہتے ہیں

۳۹۲ میں اپنے آپ میں ان شاعروں میں فرق پاتا ہوں — سخن اُنسے سنورتا ہے سخن سے میں سنورتا ہوں

۳۹۴ نہیں ہے گو مرے پائے ثبات کو لغزش — ہوائے دہر سے میں دمبدم پگھلتا ہوں
بسانِ شمع فروغ اپنا ہے ہر اک پہ عیاں — مگر مجھی کو فقط ہے یہ حس کہ جلتا ہوں

۳۹۷ کوئی مونس نہیں ہے بیکسی میں جان کھوتا ہوں — جو روتے ہیں مرے پر انہیں کو اب میں روتا ہوں

۳۹۸ یہ شانِ بے نیازی اور یہ ہنگامۂ فطرت — گلا کیا مرگِ ہاشم کا وہی کیا تھا ہمیں کیا ہیں

۳۹۹ جان دینا منع ہے اور دل سے غم ٹلتا نہیں — سانس لیتا ہوں مگر کام اس سے کچھ چلتا نہیں
تپ نہ ہونے سے نہ سمجھو یہ کہ میں راحت میں ہوں — دل میں انگارے بھرے ہیں گو بدن جلتا نہیں
یہ بتِ خود بیں خلاف اکبر کے جو چاہیں کہیں — کفر کے سانچے میں تو بالفعل وہ ڈھلتا نہیں

تمھارا اور ان پھلوں کا مجھ پر نہیں کچھ احساں اے درختو
خدا اُگاتا ہے اُگ رہے ہو خدا کھلاتا ہے کھا رہا ہوں ۴۰۰

٭

مجھ سے رکتی ہی تو ہیں قیدِ ادنیٰ کیوں ہوں
یاس کا جب دور ہے محوِ تمنا کیوں ہوں ۴۰۲

ہمنشینی خلق کی ہے اب تو وحشت آفریں
اک زمانے میں یہ سودا تھا کہ تنہا کیوں ہوں

خوب مصرع ہے مگر کسکی زباں سے ہو ادا
یا رہوں عزا ز سے دنیا میں یا کیوں ہوں

اب ہی بیمار ہے اکبر سیر اشغل زندگی
جب فقط مرنا ہی باقی ہے تو اچھا کیوں ہوں

٭

بوڑھوں کے ساتھ لوگ کہاں تک وفا کریں
لیکن نہ موت آئے تو بوڑھے بھی کیا کریں ۴۰۳

٭

ہیں جسکے خامۂ قدرت کا نقش حیرت افزا ہو
وہی جانے کہ وہ کیا ہے وہی جانے کہ ہم کیا ہیں ۴۰۴

کوئی سنتا نہیں ہے تو پھر اسکی شکایت کیا
میں ہی کیا کر سکا ہوں آجتک او ر سب کی سنتا ہوں

جناب حضرتِ اکبر کی کوئی نبض تو دیکھے
یہ کہنے کو تو ہر حالت میں کہہ دیتے ہیں اچھا ہوں

٭

قدرت کا رنگ دیکھ نہ ڈھونڈھ اسکی ماہیت
تصویر کو ٹٹولنے میں کچھ مزا نہیں ۴۰۶

٭

آخرت کے لیے کافی ہے فقط ذکرِ خدا
سوشل اغراض کو کچھ پیر بنا رکھے ہیں ۴۰۹

اس موت کے آگے اے اکبر مشغولیٔ دنیا کچھ بھی نہیں
سب کچھ جسے ہم سمجھتے تھے ابھی دم بھر میں جو دیکھا کچھ بھی نہیں

تدبیر کی کوئی حد نہ رہی اور بالآخر کہنا ہی پڑا اکو
اللہ ہی کی مرضی سب کچھ ہے بندے کی تمنا کچھ بھی نہیں

٭

اس گلستاں میں بہت کلیاں مجھے تڑپا گئیں
کیوں لگی تھیں شاخ میں کیوں بے کھلے مرجھا گئیں ۴۱۰

ہم اردو کو عربی کیوں نہ کریں اردو کو وہ بھاشا کیوں نہ کریں

٭

ولایت
بحثوں کے لیے اخباروں میں مضمون تراشا کیوں نہ کریں ۴۱۲

آپس میں عداوت کچھ بھی نہیں لیکن اک کھاڑا قائم ہے
جب اس سے فلک کا دل بہلے ہم لوگ تماشا کیوں نہ کریں

۴۱۲ کیوں مجھ سے یہ پوچھتے ہیں وہ کیا چاہتا ہوں میں — کیا وہ سمجھتے نہیں کہ مرا چاہتا ہوں میں

۴۱۳ تجھے ہم شاعروں میں کیوں نہ اکبر منتخب سمجھیں — بیاں ایسا کہ دل مانے زباں ایسی کہ سب سمجھیں
نتیجے ترک خودداری کے سب پر ہو گئے ظاہر — ترقی خواہ ملت جب سمجھتے تھے تو اب سمجھیں

۴۱۴ شیخ جی بھی وہی کرتے ہیں جو سب کرتے ہیں — اب تو ہم مصلحتاً اُن کا ادب کرتے ہیں
طلب جاہ یہ وہ کرتے ہیں کس کو مجبور — سچ تو یہ ہے کہ ہمیں لوگ غضب کرتے ہیں

۴۱۸ یہ انقلاب بھی ہے اور آنجناب بھی ہیں — میں دیکھتا ہوں کہ موجیں بھی ہیں حباب بھی ہیں
ہے میرے دل کو خدا ہی کی رحمتوں کی طلب — کہ وہ وسیع بھی ہیں اور بے حساب بھی ہیں
عجب اصول ہیں رندان عشق کے اکبر — گناہ کرتے ہیں اور طالب ثواب بھی ہیں

۴۱۹ ہوٹل میں جو وہ مطلوب رہے اسٹیج پہ یہ مرغوب رہیں
اُن کے بھی قوافی خوب ملے اُنکی بھی ردیفیں خوب رہیں

۴۲۱ تمکو مبارک یہ ہوس جو ہم کہیں وہ سب کہیں — ہم کو تو ہے آمیں مگر سب کی سنیں یا رب کہیں
سورج تو ہے لیکن نہاں ظلمت کے اندر ہے جہاں — تقویم میں تم دن پڑھو ہم حس کے اندر شب کہیں

۴۲۲ آج کل اس انجمن کے کچھ عجب اسلوب ہیں — میں جو کہتا خوب ہوں وہ چپ بھی کرتے خوب ہیں

۴۲۳ جو شیخ کی ہے یہ خود فروشی کروں کہاں تک میں عیب پوشی
یہ اتنی دنیا سے گرمجوشی حرم میں وہ ہیں کہ شاپ میں ہیں
زمین کی کوئی کرے نہ چوری بڑھی ہے انجنیری کی ڈوری
اسی کے پیوند ہوں گے آخر ابھی تو مصروف ناپ میں ہیں

۴۲۵
گو بہت اونچی ہے پروازِ حریف — شیخ بد گذکم نہیں ہیں حسبِ پپ میں
اُن کا طوطی بولتا ہے عرش پر — ان کی مرغی بولتی ہے کمپ میں

۴۲۶
کسی سے وہ محبت ہو محبت جسکو کہتے ہیں — پھر اُس سے ایسی فرقت ہو کہ فرقت جسکو کہتے ہیں
دلی حالات کا اندازہ ہو اسوقت غافل کو — مصیبت ہی نہیں دیکھی مصیبت جسکو کہتے ہیں

۴۲۷
بولے شگفتگی سے مگر بات کی نہیں — خواہش مجھے اب آپ سے ملاقات کی نہیں
میرے سکوت سے مجھے بے حس نہ جانیے — الفاظ کی کمی ہے خیالات کی نہیں
اسکے سوا کہ شکر کا موقع نہیں ملا — مجھکو شکایت آپ سے کسی بات کی نہیں

۴۲۸
شعرِ اکبر میں کوئی کشف و کرامات نہیں — دل پہ گذری ہوئی ہے اور کوئی بات نہیں

۴۲۹
دل کو اک غم نے گھیر رکھا ہے — کیا کسی سمت التفات کروں
ہمنشین مجھ سے کچھ نہ پوچھ اس وقت — جی نہیں چاہتا کہ بات کروں

۴۳۰
کیوں گفتگو کسی کو ہو اس ٹھیک بات میں — تیغی زبان میں ہے حکومت ہے ہات میں

۴۳۱
حسنِ فانی جو لبھائے اُسے بت کہتے ہیں — گذران فصل دلاویز کو رت کہتے ہیں

۴۳۲
کیا عذر قوم کو ہے ترقی کی بات میں — رغبت کے ساتھ خود ہیں وہ لیڈر کے ہات میں
تعلیمِ دختران سے یہ اُمید ہے ضرور — ناچے دلھن خوشی سے خود اپنی برات میں

۴۳۳
سیر ہو کر سیر سے اس دارِ کہن کی اکبر — اب یہاں میرے لیے کوئی نئی بات نہیں

۴۳۴
بسے بر گلڈ میں مغرب کی رفاقت اسکو کہتے ہیں — ہوئے مدفون تکیے میں اصالت اسکو کہتے ہیں

۴۳۵
سمجھ میں صاف آجائے فصاحت اسکو کہتے ہیں — اثر ہو سننے والے پر بلاغت اسکو کہتے ہیں

۴۳۶
مایوس ہوں مریضِ غمِ لاعلاج ہوں — کل بھی جیا تو کیا وہی ہونگا جو آج ہوں
افسردہ ہو کے کہتی ہے گل کی زبان حال — صرصر سے کیا کہوں کہ میں نازک مزاج ہوں

اس زندگی میں ترک تعلق کا ذکر کیا — جب تن میں جان ہے ہمہ تن احتیاج ہوں

۴۴۰ نہ سہی تلقین اور ایسے شدائد الاماں — ایک نام حق کے ساتھ اتنے زوائد الاماں

۴۴۱ ہر شیخ یہ کہتا ہے عقائد ہیں تو یہ ہیں — توحید یہ کہتی ہے زوائد ہیں تو یہ ہیں

۴۴۲ بے بصر وہ ہیں جو بحثوں میں یہاں خرسند ہیں — جنکی آنکھیں کھل گئیں اُن کی زبانیں بند ہیں

۴۴۳ وہ اپنی حد سے باہر قائم یہ اپنی حد میں — یہ عمدہ فرق میں نے پایا ہے نیک و بد میں
تیری ہی حد میں تیری ساری سرحدیں ہیں — مشکل ہے بحث کرنا میرے سخن کے رد میں

۴۴۴ یوز نے کو رقص پر کس بات کی میں داد دوں — ہاں یہ جائز ہے مداری کو مبارکباد دوں

۴۴۹ الگ خیال سے یہ دنیوی مظاہر ہوں — نمازکا ہے مزا جب حواس طاہر ہوں
مخالفین کو ہم کہہ تو دیتے ہیں کافر — مگر یہ ڈرتے ہیں دل میں کہیں نہ کافر ہوں

۴۵۰ حواس ظاہری کے دام میں وہ ہاہم حاضر ہیں — مگر یہ صید خود صیاد اطمینان خاطر ہیں
مرا اسلام ہی کیا ہے کہ حاکم کفر دل اکبر — وہی کافر ہیں جو اللہ کے نزدیک کافر ہیں

۴۵۱ بادۂ عرفاں کہاں یہ بحث کا دفتر کہاں — کفر ہے اس انجمن میں کون کیا کیونکر کہاں
خانۂ تن کے بھی اجزا میں ہے پیہم انقلاب — کیا بتائیں ہم کسی سے ہے ہمارا گھر کہاں

۴۵۲ جنکو جینا ہے بنیں سچلی ہوس کے ابر ہیں — پانوں لٹکائے ہوئے بیٹھے ہیں یاں تو قبر ہیں
چند مومن بھی اسیر زلف دنیا ہو گئے — چاندنی تھی مگر لپٹی ہوئی ہے ابر میں
ہاتھا پائی شاہد مغرب سے ہم کرتے نہیں — بابوؤں ہی کو مزا ہے بوسۂ بابجبر میں

۴۵۴ گو مجھ میں ہی بلاغت گو شعر با اثر ہیں — لیکن مرے مصائب مجھ سے بلیغ تر ہیں

۴۵۵ کس طرح جانچے گا اپنے آپ کو اے فلسفی — فرق کیا لازم نہیں ہے ناظر و منظور میں
آپ کی ہرگز نہیں کے آگے کیا بس ہے مرا — لیکن اتنا تو ذرا سن لوں کہ آخر کیوں نہیں

لہ ۱۹۰۹ء میں آنکھ پر آپریشن ہوا تھا اور مجھکو ہدایت تھی کہ بات نہ کروں۔

اُن کے کفر کی آگ بجلی میرے گھر مٹی خراب
یا الٰہی مجھ پر الطافِ عناصر کیوں نہیں

اسقدر دلکش ہو رنگِ طبعِ اکبر دیر میں
بت کو حسرت ہو کہ یہ کمبخت کافر کیوں نہیں

۴۵۸

ہم کیوں یہ مبتلائے بیتابیِ نظر ہیں
تسکینِ دل کی یارب وہ صورتیں کدھر ہیں

ذرّے جو گُل بنے تھے وہ بن گئے بگولے
جو زینتِ چمن تھے وہ خاکِ رہگذر ہیں

دنیا کی کیا حقیقت اور ہم سے کیا تعلق
وہ کیا ہے اک جھلک ہے ہم کیا ہیں اک نظر ہیں

ہمنے سُنا بہت کچھ حالِ جہانِ فانی
افسانہ گو غضب ہیں قصّے تو مختصر ہیں

پیدا کیے فلک نے نادیدنی مناظر
نیچی ہیں اُنکی نظریں جو صاحبِ نظر ہیں

غم خانۂ جہاں میں وقعت ہی کیا ہماری
اک ناشنیدہ اُف ہیں اک آہ بے اثر ہیں

کیا مشرقی کفن بھی وہ ترک کر سکیں گے
اوضاعِ مغربی میں جو غرق سر بسر ہیں

اکبر کے شعر سُنکر کہتے ہیں اہلِ باطن
اب بھی خدا کے بندے کچھ صاحبِ اثر ہیں

۴۵۹

اپنی مرضی کے موافق دہر کو کیونکر کروں
بیحد آتا ہے مجھے غصّہ مگر کس پر کروں

چل بسے چھوٹے بڑے تھا جنسے لطفِ زندگی
مجھ پہ کسکو ناز ہے میں ناز اب کس پر کروں

وصل کی شب جب مسلّم ہو ہی جائیگی سحر
لطف اُٹھاؤں یا درازی کی شکایت کروں

دورِ بے مہری ہے امیدِ محبت کس سے ہو
اُڑ رہی ہے خاک ہر سو کسکے دل میں گھر کروں

۴۶۰

داغِ دل پر نظرِ یاس نہ کر اے اکبر
کوئی ذرّہ چمنِ دہر میں بیکار نہیں

تجھ پہ گلزار کھلائے گا یہی داغ کبھی
آج گو طبع تری محرمِ اسرار نہیں

یہ جتنے ذرّے جہانِ فانی کے اُنکی شکلوں میں جلوہ گر ہیں

۴۶۱

خدا کی ہستی کے سب ہیں شاہد اور اپنی ہستی سے بے خبر ہیں

تغیّر اتنا کہ گم تعیّن۔ تعیّن ایسا کہ اپنی ہی دُھن

کمال ایسا کہ سب ہیں حیرت جمال ایسا کہ سب نظر ہیں
حواس کچھ نیک کام کر لیں کہ جیب و دامن کو اپنے بھر لیں
مرے معانی کی حد نہیں ہے اگرچہ الفاظ مختصر ہیں

---

۳۶۲ دنیا میں ہوں دنیا کا طلبگار نہیں ہوں — بازار سے گذرا ہوں خریدار نہیں ہوں
زندہ ہوں مگر زیست کی لذت نہیں باقی — ہر چند کہ ہوں ہوش میں ہشیار نہیں ہوں
اس خانۂ ہستی سے گذر جاؤنگا بے لوث — سایہ ہوں فقط نقش بہ دیوار نہیں ہوں
افسردہ ہوں عبرت سے دوا کی نہیں حاجت — غم کا مجھے ضعف ہے بیمار نہیں ہوں
وہ گل ہوں خزاں نے جسے برباد کیا ہے — الجھوں کسی دامن سے میں وہ خار نہیں ہوں
یارب مجھے محفوظ رکھ اس بت کے ستم سے — میں اسکی عنایت کا طلبگار نہیں ہوں
گو دعویٰ تقویٰ نہیں درگاہ خدا میں — بت جس سے ہوں خوش ایسا گنہگار نہیں ہوں
افسردگی و ضعف کی کچھ حد نہیں اکبر — کافر کے مقابل میں بھی دیندار نہیں ہوں

---

۳۶۴ جرح کیا وقعت نہیں میری جو بزم غیر میں — عزت ستم ہوا اسکی کس میسر ہی دیر میں
تار برقی سے ہوا معلوم حالِ زار روس — شور برپا ہے کلیسا میں حرم میں دیر میں
آسمانی توپ چلتی ہے کہیں صدیوں کے بعد — لیکن اٹھ جاتی ہیں ساری غفلتیں و غیر میں

---

۳۶۵ چرخ نے پیشن کمیشن کہدیا اظہار میں — قوم کالج میں اور اسکی زندگی اخبار میں

---

۳۶۶ حواس سب ہو گئے معطل اور آنکھ بھی بند کر چکے ہیں
لحد میں گرنا ہے صرف باقی زمانہ گذرا کہ مر چکے ہیں

---

۳۶۷ کارگر اس بت کی تدبیریں بالآخر ہو گئیں — گو ہوں مسلم خواہشیں میری بھی کافر ہو گئیں

---

۳۶۹ بت حاصل کی موافق اپنی رائے — نشۂ نخوت میں اب سرشار ہیں

پوچھے کوئی حضرت والا سے یہ — آپ فاتح ہیں کہ ڈگری دار ہیں

۴۷۰
اب میں سرگرمی سے کوئی سعی کرتا ہی نہیں — بعد ان مایوسیوں کے دل ابھرتا ہی نہیں
سلسلہ ہے بیقراری کا ہماری زندگی — سانس رکتی ہی نہیں جو دل ٹھہرتا ہی نہیں
منزل صبر و رضا کو سمجھے تھے آباد ہم — لیکن اس جانب سے اب کوئی گذرتا ہی نہیں
افعیٔ حرص و ہوا پر ضربتیں ہیں بے اثر — ٹوٹتی ہیں لاٹھیاں کمبخت مرتا ہی نہیں
یاس سب خوبان مشرق کو ہوئی عشاق سے — اسقدر افسردہ ہیں کوئی سنورتا ہی نہیں

۴۷۱
اس سرو قد پہ اکبر مدت سے مر رہا ہوں — اللہ راست لائے کوشش تو کر رہا ہوں

۴۷۲
نمبر اول کا دعوی ہو جنھیں باہم لڑیں — خوش نصیبی ہے یہاں تو دوسرے نمبر پہ ہیں

۴۷۳
جان مردہ ہے بدن افسردہ ہے مانند خاک — میں کہ ہاں ہونگا کبھی لیکن اب اپنی قبر ہوں

مجبور بدل جانے پہ یہاں اقبال و حشم کے دور بھی ہیں
یکتائی کا دعوی خوب نہیں اللہ کے بندے اور بھی ہیں

۴۷۵
قوت سیر جو حاصل ہو تو دیوانہ بن — پنجۂ غیر میں رہنا ہو تو تلوار نہ بن
دل کی خاطر تو ہے لازم تجھے بک جانا بھی — صرف آنکھوں کا فدا ہو تو خریدار نہ بن
آتش شوق بتاں میں نہ جلا دل اپنا — کافری کا سبب گرمی بازار نہ بن
بت پرستی میں بھی کچھ حسن کے پہلو پہ نظر — ہار بن۔ دیدہ سے رشتہ ہو تو زنار نہ بن
دل سے کہہ سکتے ہیں ہاں شمع نصیبہ تجھے — دوست سے کہہ نہیں سکتے کہ شب تار نہ بن
دست قدرت میں ہے یہ خاک چمن اے اکبر — اس سے کیونکر یہ کہوں پھول ہی بن خار نہ بن

۴۷۶
ہے ہمسے چرخ بر سر کیں غور کیا کریں — بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے اور کیا کریں
ہو صبر میں تو دیر وہ فرصت کی بات ہے — للہ یہ بتایئے فی الفور کیا کریں

اپنے جو تھے مشیر وہ سب اُن سے مل گئے
کرنا پڑا سکوت بہر طور کیا کریں
پانی کوئی کھلا نہیں گھر میں لگی ہے آگ
اب بھاگنا ضرور ہوا غور کیا کریں

۴۷۸
وہ تھے آئینِ ملت لاکھوں ہی کو ایک کرتے
یہ کیا جو ایک کو دو اور دو کو چار کرتے ہیں
یہ پروانوں کا شمعوں سے لپٹنا اور جل مرنا
محبت کی روش یہ بھی ہے یوں ہی پیار کرتے ہیں
بڑھانا شوق کا منظور ہے یا مضمحل کرنا
نزاکت کا جو تجھ سے اس قدر اظہار کرتے ہیں
ترقی کی تماشا گاہ میں سو وقت اے اکبر
وہ منظر ہیں کہ جن کو ہوش سے بیزار کرتے ہیں

۴۷۹
حشر تک کھل نہ سکے راز اسے کہتے ہیں
جستجو پر بھی کہ دو ناز اسے کہتے ہیں

۴۸۱
وجد عارف کی حقیقت کچھ سنا دوں آپ کو
گو کہ میری اصل کیا اک بندۂ ناچیز ہوں
ناچتی ہے روح انسانی بدن میں شوق سے
جب کبھی پا جاتی ہے یہ تو کہیں کیا چیز ہوں

۴۸۳
کچھ اعتبار نہیں مجھکو اپنے ہونے کا
یقین ہے یہ کہ نہیں ہوں فقط قیاس میں ہوں
ثواب سمجھتا ہوں جاؤنگا کر ان کی مدد
چھپا ہوا میں غریبوں کی بھوک پیاس میں ہوں

۴۸۴
خدا شناس تو ہونا نہیں ہے سہل اکبر
یہی بہت ہے جو دنیا شناس ہو جاؤں

۴۸۶
جہاں درشن تمہارے ہوں وہیں جوگی ہوں مانگا
الہ آباد کا قیدی نہ پابند بنارس ہوں

۴۸۷
کسی سے پوچھتا میں کیوں تصوف کس کو کہتے ہیں
خود اپنے دل کو دیکھا اور سمجھا اسکو کہتے ہیں

۴۸۹
میرے دل کا نہ سمجھا حال کچھ بھی ڈاکٹر مس نے
تو پھر دعویٰ یہ کیا ہے میں ہی گریک فلسفہ ہو لیا

۴۹۰
وہ دل کا رنگ نہیں گو حرم کے طوف میں ہوں
مقام شوق میں تھا اب محل خوف میں ہوں

۴۹۱
ہوس سے ڈرتا ہوں میں گو موت کا شائق بھی ہوں
یعنی شبہ ہے کہ ایسے شوق کے لائق بھی ہوں
ہو نہیں سکتا بیانِ حالِ دل الفاظ میں
جوش بھی ہے طبع میں اور شعر میں فائق بھی ہوں

۴۹۲
زیادہ گوئی سے اب ہم اسی سے رکتے ہیں
جو خوب کہتے ہیں اکبر وہ کہہ بھی چکتے ہیں

خشک ہی بالکل شجرِ اُمید بھی ۔ گُل میں سُرخی ہو نہ سبزی برگ میں ۔ ۴۹۴
شغل اپنا کیا بتاؤں آپ سے ۔ جی رہا ہوں انتظارِ مرگ میں

مسرت مجھکو اب دشوار ہی دنیا کی محفل میں ۔ خوشی کی قابلیت ہی نہیں باقی رہی دل میں ۔ ۴۹۸

جھکا کر سر کو سجدے میں جو اپنے دل میں پہنچے ہیں ۔ نہ پوچھو وہ کہاں اُٹھے ہیں کس منزل تک پہنچے ہیں ۔ ۴۹۹

ذوقِ ہوائے کوچۂ قاتل کو کیا کروں ۔ مہلک سہی یہ شوق مگر دل کو کیا کروں ۔ ۵۰۰
اظہارِ اضطراب کا شائق نہیں ہوں میں ۔ پہلو میں لیکن اس دلِ بسمل کو کیا کروں
قطعِ نظر گُلوں سے نہیں مانعِ جنوں ۔ بوئے بہار و شورِ عنادل کو کیا کروں

مقبول جو ہوں شاذ ہیں ۔ قابل تو بہت ہیں ۔ آئینے کے مانند ہیں کم ۔ دل تو بہت ہیں ۔ ۵۰۱
وہ کم ہیں تڑپنے میں جنھیں ملتی ہے لذت ۔ یوں آپ کی شمشیر کے بسمل تو بہت ہیں

علمِ دیں حاصل کیا لیکن قباحت یہ ہوئی ۔ صرف سکھلانے میں لذت ہی عمل میں کچھ نہیں ۔ ۵۰۳
زیست کا مقصد ہے خود آہ سوزاں تب ہے لطف ۔ ورنہ اے اکبر تری نظم غزل میں کچھ نہیں

لوگ کہتے ہیں کہ ہیں آپ نہایت قابل ۔ میں اسی سوچ میں رہتا ہوں کہ کس قابل ہوں ۔ ۵۰۴

لذت ہی روح کو تنِ خاکی سے میل میں ۔ فطرت نے مست رکھا ہے قیدی کو جیل میں ۔ ۵۰۸
فتح و شکست پر نظر آپ سپاہی کی ہوں ۔ اپنی تو دل لگی ہے فقط پاس فیل میں
ذلت اُٹھا رہا ہوں میں تقلید کے غول میں ۔ اچھے وہی جو لکھ گئے آخر کے رول میں

وہی بندے ہیں طاقت سے جو صرفِ عقل کرتے ہیں ۔ ہماری زندگی کیا زندگی کی نقل کرتے ہیں ۔ ۵۱۱

باطن بہت ہیں ایسے جو مشتعل نہیں ہیں ۔ سینے ہیں سب کے دل ہیں سب اہلِ دل نہیں ہیں ۔ ۵۱۲

خدا جانے مرا کیا وزن ہے اُنکی نگاہوں میں ۔ سنا ہے آدمی کو وہ نظر میں تول لیتے ہیں ۔ ۵۱۳

تفرقے ہیں یہ جو طوفاں ہیں بپا کچھ کم تو ہوں ۔ ہمکو کرنا چاہیے سب کچھ مگر ہم ہم تو ہوں ۔ ۵۱۴

دیکھ لیگا خود کہ کس عالم میں لیجاتا ہے دل ۔۔ مجھکو جتنے ہیں مگر اتنے کسی کو غم تو ہوں
جام کی صورت جو ساقی خود ہوں گردش میں تو کیا ۔۔ شانِ محفل تمکنت ہی میں ہے پہلے جم تو ہوں

۵۱۸
خدا کے نام کا ہے احترام عالم میں ۔۔ نہ صرف آپ میں ہم میں تمام عالم میں
اسی کا نام نہ کیوں ورد زباں ہو جائے ۔۔ کہ اختلاف سے خالی ہو کام عالم میں
خدا پرست کو کافی ہے مثل ابراہیم ۔۔ زوالِ شمس و قمر صبح و شام عالم میں
یہی مشن تھا جنابِ رسولِ اکرم کا ۔۔ اور آج انھیں کا تو روشن ہے نام عالم میں

۵۱۹
حسنِ آغاز تو رکھتا ہے یہ عیشِ دنیا ۔۔ مگر افسوس یہ ہے خوبیٔ انجام نہیں

۵۲۱
تعلّی کی نہیں لیتے ہم ایسے ہیں ہم ایسے ہیں ۔۔ مگر ہم جتنے ہیں بیزارِ دنیا سے کم ایسے ہیں
مری ہر وقت کی افسردگی ہے بار یاروں پر ۔۔ مگر میں کیا کروں اسکو خدا شاہد ہے غم ایسے ہیں

سینے میں تپش ہے دل میں غم ہے ۔۔ اللہ اللہ ہے اور ہم ہیں
جن میں للہ دوستی ہو ۔۔ اب ایسے بزرگوار کم ہیں

۵۲۴
حقیقت کیا مری ہستی کی اک قطرے سے بھی کم ہوں ۔۔ تعجب اس پہ آتا ہے کہ میں بھی جزوِ عالم ہوں
بحمد اللہ مری ہستی نہیں ہے بارِ فطرت پر ۔۔ زمیں پر ہوں تو سبزہ ہوں گلوں میں ہوں تو شبنم ہوں

۵۲۶
کتنے ہی بے وقار ہوں مرزا کو غم نہیں ۔۔ کافی ہے یہ شرف کہ وفاتی سے کم نہیں

۵۲۷
مس سے بیگم نے کہا کل تو کہاں اور ہم کہاں ۔۔ بوٹ کی چرچر میں کیا رکھا ہے یہ چم چم کہاں
مس یہ بولی پڑھ کے نکلو تو ذرا اسکول سے ۔۔ اور ہی چالیں نظر آئیں گی یہ عالم کہاں

۵۲۹
اور کہ مرزا ہر طرف بدنام ہیں ۔۔ نیک بد جو وارثِ اسلام ہیں
گردشِ گردوں کے آگے کس کا زور ۔۔ کون دم مارے خدا کے کام ہیں

۵۳۱
ناچیز ہے سکون تو تلاطم بھی کچھ نہیں ۔۔ ہم کچھ نہیں یہ سچ ہے مگر تم بھی کچھ نہیں

کیا نور تھا نگاہِ جنابِ خلیل میں — شمس و قمر بھی کچھ نہیں انجم بھی کچھ نہیں

۵۳۲ تسلیم ہوتا تو میں اس عہد میں پھولا ہوا رہتا — سراپا دل بنا ہوں اس سبب سے کشتۂ غم ہوں

۵۳۳ نہ واعظ کی کوئی سنتا نہ پڑھتا ہے مصنف کی — زباں کہتی ہی رہتی ہے قلم چلتے ہی رہتے ہیں
جو تھک کر بیٹھ جاتا ہوں زمیں کہتی ہے یہ مجھ سے — ترے رکنے سے کیا ہوتا ہے ہم چلتے ہی رہتے ہیں

۵۳۴ نئی تعلیم میں تقویٰ کا وہ اکرام کہاں — ناز بے حد ہیں مگر غیرتِ اسلام کہاں

۵۳۵ نئے زمانے کی ہسٹری کے عجیب مضمون بن رہے ہیں — کہ خدمتِ دیر کی بدولت حرم کے مخدوم بن رہے ہیں

۵۳۶ مفتیِ شرع نہ ہوں لیڈرِ اسلام تو ہیں — یعنی مسجد نہ سہی کیمپ کے گلفام تو ہیں

۵۳۷ منہ لگایا جنھیں اس بت نے وہ ناقوس — سازِ ملت ہیں تو اب شرعیِ اسلام کے ہیں
نہ نظر آئے جبیں پر جو نشانِ سجدہ — تو سمجھ لو یہ مسلمان فقط نام کے ہیں

۵۴۰ یہ اختلافِ صورت فطرت کی مستیاں ہیں — یہ انکشافِ معنی ذہنوں کی ہستیاں ہیں
دیوانۂ چمن کی سیر میں نہیں ہیں تنہا — عالم ہے ان گلوں میں غنچوں میں بستیاں ہیں
ساقی سے بے خبر ہیں مستانِ بزمِ ہستی — یا بے ہشی ہے طاری یا خود پرستیاں ہیں
اس منزلِ فنا کو اکبر نے خوب دیکھا — جتنی بلندیاں ہیں نظروں کی پستیاں ہیں

۵۴۱ ہے جو لب پر شکوہ سمجھیں اس کو یا آہیں کہیں — میں ہوں مستِ بادۂ غم لوگ جو چاہیں کہیں
جو طریقے کامیابی کے بتاتے ہیں یہ حضرت — ہیں یہ سب راہِ ہلاکت آپ انھیں راہیں کہیں

۵۴۳ وہ چیزیں نفس کو جن سے مسرت ہے نمایاں ہیں — جو اخلاقی نتیجے دل پہ گذریں گے وہ پنہاں ہیں

۵۴۵ جس طرف اٹھ گئی ہیں آہیں ہیں — چشمِ بد دور کیا نگاہیں ہیں
ذرہ ذرہ ہے خضرِ شوق تو ہو — چلنے والے کو لاکھ راہیں ہیں
ماسٹر کی مشفقتیں دیکھو — اب تو کالج ہی خانقاہیں ہیں

۵۴۶ روح ہے تن میں مگر دل میں مرے جان نہیں ... داغ ہی داغ ہیں اب دل کوئی ارمان نہیں
سخت مشکل ہے مسلمان کو اس وقت فروغ ... اور قناعت کی جو پہنچے تو وہ آسان نہیں

۵۴۸ ہیں سخت مصیبت میں آرام کہاں پائیں ... دنیا سے نہیں کیونکر چھوڑیں تو کہاں جائیں

۵۴۹ جب خدمتِ دل میں رہنے کو خالق نے زبانیں دی ہیں مجھے
اچھے ہیں وہی دل اے اکبر اللہ کی باتیں سنتے اٹھیں

اس بزم میں مجھ سے کہتے ہیں سب موقع کے مطابق بات کہو
اور ہم نے یہ دل میں ٹھانی ہے یا دل کی کہیں یا کچھ نہ کہیں

۵۵۲ صورتِ گل ہمہ تن گوش ہوں اس محفل میں ... کہ جہاں بلبل و قمری ہیں غزل خوانوں میں

۵۵۳ ہے موت میں ضرور کوئی رازِ دلنشیں ... سب کچھ کے بعد کچھ بھی نہیں یہ تو کچھ نہیں

۵۵۴ طالب العلموں کو لیجاؤ کمیٹی میں نہ تم ... کہیں ایسا نہ ہو یہ قوم پہ عاشق ہو جائیں

۵۵۵ فرقت میں شوقِ دیدِ گل اے باغباں نہیں ... راحت کہاں نظر کو جب آرامِ جاں نہیں
کتنا ہی غم ہو رہتی ہے امیدِ بہتری ... شکرِ خدا کہ قلب مرا بدگماں نہیں
اصرارِ شوق ہے کہ کہنے جاؤ عرضِ حال ... ایسا ہے ناز سے کہ چلی جائے ہاں نہیں

۵۵۶ بنگلوں ہی کی چھتوں پہ کریں شاعرانہ نگاہ ... دور جب سے ہیں کوئی شئے آسماں نہیں

۵۵۷ جو خوش کریگا چاہیے گا مجھکو بھی خوش کرو ... اسکو سمجھے تو کوئی منت قبول کر

۵۵۹ ہو گیا ہوں اس قدر افسردہ و زار و حزیں ... چلدیے ہیں چھوڑ کر مجھکو کہاں کھائیں
اب کیا دنیا سے دل لگے گا ... آنکھیں چھت سے لگی ہوئی ہیں

۵۶۱ پڑ جائیں کبھی آبلے اکبر کے بدن میں ... پڑھکر جو کوئی پھونکدے اپریل مئی جون
اس شرط پہ ہے فلک سے صلح آخر ہوگئی ... قبریں مہیا وہ کرتے تربتیں انکی ہم کریں

بتوں میں حسن نہیں برہمن میں جان نہیں ——— وہی جگہ ہے مگر دیر کی وہ شان نہیں ۵۶۴

ہو رہا ہے فنا فی الحکم فنا ——— نہ کہیں ہیں نہ سمجھتے ہیں مکاں ۵۶۵

تو ہیں جو آگے انھیں پیاری ہمیں ——— کہتی ہیں کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَان

دنیا کو خوب دیکھا جتنی نسبتیں ہیں ——— موقع کی سازشیں ہیں مطلب کی آشتیں ہیں ۵۶۶

البتہ جو تعلق دینی خیال سے ہے ——— اس میں فقط ہیں شامل دردِ دل کو راستیں ہیں

وہ رنگِ بزم نہیں ہے تو رند کیا ابھریں ——— بہار ہی نہیں باقی تو پھر جنوں کہاں ۵۶۷

بدستِ ہوش میں ہوں نہ دل زباں ہوں ——— لیکن کھلا نہ اب تک میں کس گماں میں ہوں ۵۶۸

پیری سے اٹھ گیا ابھی لب پہ ذکرِ ماضی ——— پہلے فسانہ جو تھا اب اپنی داستاں ہوں

حیرت کہ جبکو سمجھا آنکھوں سے صد رستی ——— آخر میں بول اٹھا میں سنگِ آستاں ہوں

وہ چاہتے ہیں اسکو دم دیکھے میں بلاؤں ——— یاں دل میں یہ ٹھنی ہے مر جاؤں اور نہ جاؤں الف ۵۶۹

اظہارِ عقل میں ہیں احباب گرمِ کوشش ——— اور مجھکو فکر یہ ہے اپنا جنوں چھپاؤں

سازِ طرب بلاکر بیٹھے ہیں سننے والے ——— پھر میں فسانۂ غم کیونکر انھیں سناؤں

میری طرف سے کیوں وہ مایوس ہو رہے ہیں ——— بیمار تو پڑا ہوں ممکن ہے مر بھی جاؤں

باقی نہیں وہ رنگ گلستانِ ہند میں ——— محنت کا اب ہے کام گلستانِ ہند میں ۵۷۰

لکھا تھا کہ مشتاقِ ملاقات ہوں بے حد ——— پاؤں جو اجازت تو دمِ چند کو آؤں ۵۷۱

آیا یہ جواب آئیے جب چاہیے لیکن ——— افسوس کہ میں آپ کا مشتاق نہیں ہوں

دنیا کی یہ قدر ہی کوتہ خیالیاں ہیں ——— جیتے تو تالیاں ہیں ہارے تو گالیاں ہیں ۵۷۲

کسی کو بحث نہیں آج پاپ اور پن میں ——— سیاسیات کے نغمے ہیں دیس کی دھن میں ۵۷۳

وہ بدگماں مرے جوشِ نگاہِ شوق سے ہیں ——— نہ احتیاط ہے مجھ میں نہ حسنِ ظن آن میں

۵۷۷ عزلت ہی ہے مناسب کیوں اس میں یہ نہ ٹھانوں
دنیا مجھے نہ جانے دنیا کو میں نہ جانوں
میری نصیحتوں کو سنکر وہ شوخ بولا
نیٹو کی کیا سند ہے صاحب کہیں تو مانوں

۵۷۹ کہوں کچھ اُن سے اگر ہو تو اعتبار آ لے
سُنا تو میں نے بھی یہ ہے کہ خوب کہتا ہوں

۵۸۲ دست پا بستہ ہوں بیٹھا ہر کوئی گن کیا کروں
دوسروں کے بس میں ہیں فکرِ تمدن کیا کروں
آگ برسانے لگی جب اس گلستاں کی ہوا
خواہشِ نشو و نمائے نخل و گلبن کیا کروں
مہربانی ہے مجھے کو دام کی کھینچی تو دی
لیکن اب کیوں نہیں باقی فقط الجھن کیا کروں
دیر میں کل گا رہی تھی اک زنِ پردہ جبیں
جب پیا پایا ملے مجھکو تو اب پھن کیا کروں
عقل روتی ہے کہ یہ گتھی سُلجھتی ہی نہیں
ہر گرہ لوہا بنی ہے سشکرِ ناخن کیا کروں

۵۸۴ سُنی سُنائی کہانیاں ہیں زبان کی خوش بیانیاں ہیں
وہ جاں فشانی کہاں ہے باقی جو ہیں وہ بس گل فشانیاں ہیں
نہ تجربے کی فغاں کا سامع نہ ذوقِ عقبیٰ کا کوئی طامع
نئی نگاہیں نئے مناظر زمانہ ہے اور جوانیاں ہیں
یہ بُت ہیں بالکل ذلیل و احقر جنھیں بصیرت نہیں ہے اکبر
اُنھیں سے اُن کا غرور ہے یہ اُنھیں سے یہ لن ترانیاں ہیں

۵۸۵ ہرگز نہ بچیں بے دینی سے اور شرک کی ضد پہ تن جائیں
اللہ کے جتنے بندے ہیں ہے فرض کہ بھائی بن جائیں
اللہ و نبی کی مرضی ہے بیٹھے یہ مسلماں آپس میں
دشمن بھی جو ہیں وہ دوست بنیں روٹھے بھی جو ہیں وہ من جائیں
ہر چند کہ اُن پر تنگی ہو کتنا ہی ہوا کا رُخ بدلے

طاعت کو مقدم کر دانیں اور نیک عمل پر ٹھن جائیں

انکشافِ رازِ ہستی عقل سے ممکن نہیں — متصل ہو سطحِ ظاہر سے یہ وہ باطن نہیں ۵۸۶

قابلِ ردِ پیشِ دانشمند یہ مضموں نہیں — ہر زباں ہر گفتنی کیواسطے موزوں نہیں ۵۸۷

بے گانگی نہیں ہو بس اتنی دوستی ہے — میں انکو جانتا ہوں وہ مجھکو جانتے ہیں ۵۸۸

دیکھکر مجھکو وہ کہتے ہیں کہ اچھے تو ہے — زندہ ہیں سانس لئے جاتے ہیں اچھے کیا ہیں ۵۸۹

خوب اکبر نے یہ اڑائی تان — دین ہو آنکھ اور مذہب کان ۵۹۰

غم خانۂ جہاں سے آگاہ ہو چکا ہوں — دکھوں سے دل بھلا ہو کہ تکو رو چکا ہوں ۵۹۳

کیا خوشی سے ہم آہ کرتے ہیں — کیوں وہ ایسی نگاہ کرتے ہیں ۵۹۴

پھیرتے ہیں نگاہ دنیا سے — آنکھ کو روبراہ کرتے ہیں

خوشی سے واہ کرتا ہوں نہ غم سے آہ کرتا ہوں — محل حیرت کا ہو بس فقط ہی اللہ کرتا ہوں

قناعت ہو مری دولت دیانت ہو مری عزت — نہ حرصِ مال رکھتا ہوں نہ فکر جاہ کرتا ہوں

دنیوی کاموں کے گو ہیں قاعدے — قاعدوں کا قاعدہ کوئی نہیں ۵۹۷

جو مشیت اس کی ہے وہ قاعدہ — بحث کیجیے فائدہ کوئی نہیں

جیسا موسم ہو مطابق اسکے میں دیوانہ ہوں — مارچ میں بلبل ہوں جولائی میں پروانہ ہوں ۵۹۸

حال میرا پوچھتے ہیں کیا یہ مستقبل طلب — کشتۂ ماضی ہوا ہوں صرف اک افسانہ ہوں

اب اپنے دل کو بجز غم کے کوئی راہ نہیں — خدا کا شکر یہی ہے کہ غم گناہ نہیں ۶۰۰

اب اپنے دل کی عقیدت پہ رحم آتا ہے — یہ دیکھتا ہوں کہ وہ آپ کی نگاہ نہیں

مرے سکوت پہ غصہ نہ کیجیے للہ — فغاں ہو جرم خموشی تو کچھ گناہ نہیں

دن گذرتے ہی چلے جاتے ہیں — لوگ مرتے ہی چلے جاتے ہیں ۶۰۱

جانتے ہیں کہ تکلفات کے ہیں کام | پھر بھی کرتے ہی چلے جاتے ہیں

۲۰۲

پیرش سے چھوٹا امید تھی ہی نہیں | آرزو میں نے کوئی کی ہی نہیں
چاہتا تھا بہت سی باتوں کو | مگر افسوس اب وہ جی ہی نہیں
جرأت عرض حال کیا ہوتی | نظر لطف اُسنے کی ہی نہیں
اس مصیبت میں دل سے کیا کہتا | کوئی ایسی مثال تھی ہی نہیں
آپ کیا جانیں قدر یا اللہ | جب مصیبت کوئی پڑی ہی نہیں
شرک چھوڑا تو سب نے چھوڑ دیا | میری کوئی سوسائٹی ہی نہیں
مذہبی بحث میں نے کی ہی نہیں | فالتو عقل مجھ میں تھی ہی نہیں
پوچھا اکبر ہے آدمی کیسا | ہنس کے بولے وہ آدمی ہی نہیں

۲۰۳

جلوۂ ساقی و مے جان پہ لیتے ہیں | شیخ جی ضبط کریں ہم تو پیے لیتے ہیں
دل میں یاد انکی جو آتے ہوئے شرماتی ہے | درد اُٹھتا ہے کہ ہم آڑ کیے لیتے ہیں
وہ تہذیب میں پھر نکلا ہوا دور نقاب | ہم بھی اب چاک گریباں کو سیے لیتے ہیں
خود کشی منع خوشی کم یہ قیامت ہے مگر | جینا ہی کتنا ہے اب خیر جیے لیتے ہیں
لذت وصل کو پروانے سے پوچھیں عشاق | وہ مزا کیا ہے جو بے جان دیے لیتے ہیں

دہر میں عاشقوں پہ ظلم یہ ہے | بعد مرنے کے بھی جلاتے ہیں
جب تمہارا خیال آتا ہے | ساری دنیا کو بھول جاتے ہیں
بھلا کچھ پوچھنا ہے اکبر سے | یہ کبھی ہوش میں بھی آتے ہیں

بزرگیوں کے مقابلے میں فلک کے پرچے تنے ہوئے ہیں
یہی سبب ہے جناب اکبر جو عقل ناداں بنے ہوئے ہیں

میرے اشعار رنگیں آپکے سننے کے قابل ہیں | اسی گلزار کے ہیں پھول جو چننے کے قابل ہیں ۶۰۸

فلک کی گردش سے آج ہم کیا خراب و خستہ پڑے پڑے ہیں
اُجڑ گئے ہیں مگر کریں کیا جہاں بسے تھے وہیں پڑے ہیں ۶۰۹
نہ پائمالی سے ہے حفاظت نہ حسنِ حرکت کی ہم میں طاقت
ہوئے ہیں سایہ اگر گرے ہیں بنے ہیں دیوار اگر کھڑے ہیں
حرم کی صف میں شریک ہو کر نماز پڑھنے کا شوق رخصت
بتانِ ترسا کی جلوہ گاہوں میں دست بستہ مگر کھڑے ہیں

چال دنیا کی تمہیں محسوس ہو دشوار ہے | یہ زمیں چلتی ہے تیزی سے مگر ہلتی نہیں ۶۱۲
دل کے جو دشمن ہیں اُنکے شوق میں ہے تیری آنکھ | جان کا مالک جو ہے اُس سے نظر ملتی نہیں

زندگی کہتی ہے دنیا سے تو اپنا دل لگا | موت کہتی ہے کہ ایسی دل لگی اچھی نہیں ۶۱۳
چاہتے ہو تم کسی کو چاہتا ہو وہ تمھیں | زندگی یہ ہے نہیں تو زندگی اچھی نہیں ۶۱۴

اُسکی باتوں سے سمجھ رکھا ہے تم نے اُسے خضر | اُسکے پانوں کو تو دیکھو کدھر جاتے ہیں
اُٹھے تو بہت ہیں پھر دو اسپر بھی تو لیکن غور کرو | شیطان کے حامی کتنے ہیں اللہ کے پیارے کتنے ہیں ۶۱۶

اُنکے دل میں جو کچھ آتا ہے وہ کہہ جاتے ہیں | ہم بھی سن لیتے ہیں منھ تکتے کے رہ جاتے ہیں ۶۱۸

کھانے پینے سے جو ہوتی زندگی مرتا ہے کون | سچ یہ ہے زندہ فقط اللہ کی مرضی سے ہوا ۶۲۰

خدا کی یاد میں دنیا سے دوں منھ جو موڑے ہیں | وہی انسان اچھے ہیں مگر افسوس تھوڑے ہیں ۶۲۱

جہان ہستی ہوئی محدود لاکھوں پیچ پڑتے ہیں | ۵ عقیدے عقل عنصر سب کے سب آپس میں لڑتے ہیں ۶۲۳

گم ہیں نظر سے نورِ حقیقت کی ہستیاں | اندھیر ہیں جو اس کی ظاہر پرستیاں ۶۲۶

کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں | آدمی آدمی بناتے ہیں

۵ اس شعر پر ڈاکٹر اقبال صاحب نے انگریزی میں ایک آرٹکل لکھا ہے اور فلاسفر میگی نے اس طرز بیان میں مصنف کو ترجیح دی ہے

جستجو ہمکو آدمی کی ہے
وہ کتابیں عبث منگاتے ہیں

۶۲۸ دہر نے نشترِ غم دل پہ مرے مارے ہیں
شعرِ رنگیں یہ نہیں خون کے فوارے ہیں

۶۳۱ فلسفی تجربہ کرتا تھا ہوا میں رخصت
مجھ سے وہ کہنے لگا آپ کدھر جاتے ہیں

کہدیا میں نے ہو انکی تجربہ مجھکو تو یہی
تجربہ ہو نہیں چکتا ہے کہ مر جاتے ہیں

۶۳۳ دل بیتاب نے کیا کیا دکھلائے ہیں مجھے عالم
یہ ہر ذرہ بھی قیامت ہی خدا کے کارخانے ہیں

۶۳۷ اوروں پہ جب ہے وعظ تو پہلی صدی میں ہیں
اپنی غرض ہو جب تو نئی جنتری میں ہیں

۶۴۱ ستم کی کامیابی پر مبارکباد دیتا ہوں
یہ آپکی بدگمانی ہے کہ فریادی سمجھتے ہیں

۶۴۳ آج جو کفر سے مصروف ہیں سرگوشی میں
ہوش آئیگا انھیں موت کی بیہوشی میں

عشق پاتا ہی نہیں موقعِ فریاد بجا
حسن کو دخل بہت کچھ ہے ستم پوشی میں

۶۴۴ ہمارے باغ میں پیڑ اب کہاں لی لگاتے ہیں
انھوں نے بھی تو دیکھا یہ فقط ڈالی لگاتے ہیں

۶۵۱ ہمارے دم سے قائم تا بند ہتوں کے بانٹے بنیدے ہیں
ہمیں نے آنکو چمکایا ہمیں دوزخ کے کندے ہیں

۶۵۲ بس الحمد للہ ہی بہتر ہے اللہ کے وعدے سچے ہیں
جیسوں ہی کی باتیں پکی ہیں اسوقت لیڈر کچے ہیں

۶۵۵ مستی ہو ہم میں کہتا ہے پپہا پی کہاں
سب یہی کہتے مگر ہر اک نے ایسی پی کہاں

۶۶۱ فلک مشتاق ہے ہم بھی نئی دنیا بسانے ہیں
زمیں کو دیر کیا لگتی ہے ہوؤں کو بھول جانے ہیں

۶۶۴ دوستوں کے ساتھ اگلی گرمجوشی اب کہاں
خونِ دل پینا پڑا ہے بادہ نوشی اب کہاں

باغباں کانٹوں میں الجھانے کا رکھتا ہے خیال
صحنِ گلشن میں بہارِ گل فروشی اب کہاں

۶۶۵ قربِ خدا نہیں تو دعا ہی کے ساتھ ہیں
ملتے نہیں نبی تو خدا ہی کے ساتھ ہیں

تم بہتری کی فکر کرو بزمِ غیر میں
عزلت میں ہم تو اپنی تباہی کے ساتھ ہیں

دل وہ ہے جو فریب نظر کو سمجھ سکے
آنکھیں وہ ہیں جو زود نگاہی کے ساتھ ہیں

ترکِ وفا کے ہو گئے عازم نیاز مند — حضرت ہنوز ناز و ادا ہی کے ساتھ ہیں
علمی ترقیوں سے زباں تو چہک گئی — لیکن عمل فریب و دغا ہی کے ساتھ ہیں

میکدے میں بیٹھ کر ہم تقوی کو راضی کیا کریں — محتسب کی جب قضا آجائے قاضی کیا کریں ۶۶۶
حال ہی سے لے مدد یا حی یا قیوم پڑھ — ہسٹری تو ہو چکی ایام ماضی کیا کریں

زباں ہیں شاخِ طوبی اور دل غفلت کے تھالے ہیں — بہت ہی اللہ اللہ کم مگر اللہ والے ہیں ۶۶۸

امید دل میں نہیں سانس ہی ہے سینے میں — مجھے تو اب کوئی لذت نہیں ہے جینے میں ۶۷۰

جوشِ خاطر کو سبیلِ حق نما ملتی نہیں — جان حاضر ہے مگر راہِ خدا ملتی نہیں ۶۷۱

کون پاسکتا ہے مکروہاتِ دنیا سے نجات — زندگی جب تک ہے جھگڑے زندگی کے ساتھ ہیں ۶۷۲

درد تو موجود ہے دل میں دوا ہو یا نہ ہو — بندگی حالت سے ظاہر ہے خدا ہو یا نہ ہو ۶۷۳
جھومتی ہے شاخِ گل کھلتے ہیں غنچے دمبدم — با اثر گلشن میں تحریکِ صبا ہو یا نہ ہو
وجد میں لاتے ہیں مجھکو بلبلوں کے زمزمے — آپ کے نزدیک با معنی صدا ہو یا نہ ہو
کر دیا ہے زندگی نے بزمِ ہستی میں شریک — اسکا کچھ مقصود کوئی مدعا ہو یا نہ ہو
کیوں سول سرجن کا آنا روکتا ہے ہمنشیں — اسمیں ہے اک بات آنر کی شفا ہو یا نہ ہو
مولوی صاحب نہ چھوڑینگے خدا گو بخش دے — گھیر ہی لینگے پولس والے سزا ہو یا نہ ہو
ممبری سے آپکی تو وارنش ہو جائیگی — قوم کی حالت میں کچھ اس سے جلا ہو یا نہ ہو
معترض کیوں ہو اگر سمجھے تمہیں صیادِ دل — ایسے گیسو ہوں تو شبہ دام کا ہو یا نہ ہو

غم میں ہوتا ہی ہے کچھ امیدِ فردا سے سکوں — وائے بر حالش جسے امیدِ فردا بھی نہ ہو ۶۷۴
مختصر فریاد سے ہوں زیرِ لب کرتا ہوں آہ — آپ کی مرضی یہ ہے شاید کہ اتنا بھی نہ ہو
رہ گئے وہ پوچھ ہی کر جسکو اسکو ہے گلا — اسکے دل سے پوچھئے جسکو کہ پوچھا بھی نہ ہو

دل بھی حاضر سرِ تسلیم بھی خم کو موجود
کوئی مرکز ہو کوئی قبلۂ حاجات تو ہو

دل تو بے چین ہے اظہارِ ارادت کیلئے
کسی جانب سے کچھ اظہارِ کرامات تو ہو

دلکشا بادۂ صافی کا کسے ذوق نہیں
باطن افروز کوئی پیرِ خرابات تو ہو

گفتنی ہے دلِ پُر درد کا قصہ لیکن
کس سے کہیے کوئی مستفسرِ حالات تو ہو

داستانِ غمِ دل کون کہے کون سنے
بزم میں موقعِ اظہارِ خیالات تو ہو

وعدے بھی یاد دلاتے ہیں گلے بھی ہیں بہت
وہ دکھائی بھی تو دیں ان سے ملاقات تو ہو

عدمِ نشو و نما سے نہ کہو تخم کو بد
وقت بالیدگیِ نخلِ نباتات تو ہو

کوئی واعظ نہیں فطرت سے بلاغت میں سوا
مگر انسان میں کچھ فہمِ اشارات تو ہو

نظر اللہ پہ رکھ ہو نہ پریشاں اکبر
لے مصلے کو ذرا صرفِ مناجات تو ہو

قوتِ نشو و نما اسمیں بھی ہے اُسمیں بھی ہے
خواہ شاخِ پرثمر ہو خواہ شاخِ بید ہو ۶۸۹

وہ ملے اکبر سے دنیا جسکے دل پر سرد ہو
عیش و آخر کا طلبگار اسکا کیوں ہمدرد ہو ۶۹۰

پھول جب کمھلا گیا پھر کیا تکلف کی امنگ
ہم بغل اس سے ہوا ہو یا چمن کی گرد ہو

جب بہار آئی تو پھر رنگینیِ شوخی میں ہے مست
ہر گلِ رنگیں ہے دلکش سرخ ہو یا زرد ہو

پاؤں پھیلاؤ نہ اتنا بے خطر اے خود سرو
خوفِ حق کم ہے تو قانونِ فنا ہی سے ڈرو ۶۹۱

قابلِ دریافت رازِ ہستیِ پروانہ ہے
کیوں اسے یہ حکمِ فطرت ہے جلو تو جل مرو

خودکشی کی ہم نصیحت تو نہیں اکبر صلاح
لیکن اپنی زندگی دنیا پہ ظاہر کیوں کرو

میں تو اٹھتا ہوں توکلت علی اللہ کہکر
نہیں ہوتا جو کوئی میرا مددگار نہ ہو ۶۹۲

ذلت و ہیچ کا خوگر مجھے کردے اے حرص
یا ضرورت سے زیادہ کی طلبگار نہ ہو

ایسی نرہوں سے جو پھل لانے کی رکھتا ہے امید
کیا شجر سمجھا ہے اسنے برگ کے انبار کو الف ۶۹۲

۶۹۴ ترکیب دعا کیلئے پیروں کے ہو پیرو — جب وقت دعا ہو تو خدا ہی کو پکارو

محفوظ رہو شرک سے ہادی کو بھی مانو — میرا تو یہی قول ہے سن لو اسے یارو

۶۹۵ یہ چاہتا ہوں طبیعت کو انتشار نہ ہو — کسی پہ بار نہ ہوں کوئی مجھ پہ بار نہ ہو

۶۹۶ یہ کیا ضرور ہے کہ ہمیشہ پڑے رہو — کہتا ہے اب یہ چرخ کہ کھاؤ پڑے رہو

اے شیخ ہم ہیں خوش جو رہو تم ہمارے پاس — مشکل ہے یہ مگر کہ کہیں بے لڑے رہو

ممتاز راستی سے ہوئے ہیں چمن میں سرو — یہ بھی مگر ہے حکم کہ یونہی کھڑے رہو

۶۹۷ بے مثل بلیغ اسکو سمجھو — فطرت کی زبان حس کو سمجھو

۶۹۸ با اثر قوت عمل کی سو میں ہو یا دس میں ہو — سب سے پہلی شرط یہ ہے اتفاق آپس میں ہو

۷۰۰ اٹھ جاؤں سامنے سے جو کچھ شک ہو آپ کو — آئینہ اور حسن مبارک ہو آپ کو

۷۰۱ بار دل پاتا ہوں اپنی ہستی غمناک کو — حس لذت سے ہے پاس احتیاط ادراک کو

بے تمیزی حس کی ہے اور نقش محسوسات ہے — دیکھتا ہے کون حسن صفحۂ ادراک کو

طالب دنیا نسیم عشق سے بیگانہ ہے — نفس سے کیا واسطہ ایسی ہوا پاک ہو

۷۰۳ ہر لحظہ ہے جسکی یاد جھیں ہے جسکا خیال انساں کو — دیکھو بھی اے اکبر اک دن اس ماضی کو مستقبل کو

ذروں کو ملا کر ذروں سے صناعی کی عزت پاتے ہو تم — کمبخت کا حق حاصل ہی نہیں دل سے ملا سکتے نہیں دلکو

۷۰۴ قاصد ملا جب آپ نے وہ کھیلتے تھے پولو — خط رکھ لیا یہ کہہ کر اچھا سلام بولو

روشنی ملے جو سکو سے کافی ہے اللہ اللہ — ظلمت کدہ ہے دنیا ہر شے کو کیوں ٹٹولو

۷۰۶ شوق تجلی سے سوا تیرے کاہل بھی تو ہو — دل کی تاثیر میں کیا شک ہے مگر دل بھی تو ہو

ناز دنیا کا اٹھانے کی ضرورت تسلیم — طبع نازک کو کروں کیا متحمل بھی تو ہو

۷۰۸ مشتری کی کیا ضرورت دین کی تعلیم کو — انجم و شمس و قمر کافی تھے ابراہیم کو

انتظام و قبضۂ دنیا نہیں ہے جب سپرد
گوشِ دل پھر کیوں سُنے غوغاے ہفت اقلیم کو

جسنے چھوڑا شوقِ جاہ و مال میں ذکرِ خدا
وہ حقیقت میں اُٹھا شیطان کی تعظیم کو

رشک وہ ہے اتحادِ ذرہ ہاے گردِ باد
ایک ساتھ اُٹھے ہواے دہر کی تعظیم کو

مجلسِ نسواں میں دیکھو عزتِ تعلیم کو
پردہ اُٹھا چاہتا ہے علم کی تعظیم کو

چھاپے کی تقویت پر لیڈر ہو نہ اکبر
اپنی بساط دیکھو اپنا مقام دیکھو ۴۱۰

اُن کا مرا تعلق ہے اس سے صاف ظاہر
اُن کا اشارہ دیکھو میرا اسلام دیکھو

قاعدوں میں حسنِ معنی گم کرو
شعر میں کہتا ہوں سمجھے تم کرو ۴۱۲

حدیث و فقہ پڑھکر شیخ بننا خوب ہے لیکن
زمین و آسماں کو دیکھکر پہلے مسلماں ہو ۴۱۵

ساتھی ملے جب ایسے نازک خیالیاں کیا
سینا ہے جیب گزی کا سوئی نہیں کہیں ہو ۴۱۶

یوں جلد نہ رخصت ہو جو گل باغ سے چن لو
انصاف یہ کہتا ہے کہ بلبل کی بھی سُن لو ۴۱۷

دنیا میں مصیبت جانا ہے ہر اک نے اجل کے آنے کو
ہم نے تو تماشا سمجھا ہے اس بھیڑ میں گم ہو جانے کو ۴۱۸

تم ملو یا نہ ملو مجھ سے منو یا نہ منو
ساتھ رہنا ہے اسی ملک میں اے ہموطنو ۴۲۰

اہلِ مغرب سے بھی کہتا ہوں مبارک ہو یہ قد
آسماں تنگ ہو تم پر مگر اتنا نہ تنو

جہاں کی بات ہو اکبر اُسے جاکر وہیں دیکھو
عوض اخبار کے تم صفحۂ روے زمیں دیکھو ۴۲۱

کسی کو بھی کسی سے کچھ نہیں اس بات میں جھگڑا
کرو تم دھیان پرمیشر کا دلکو اُسکا درشن ہو ۴۲۲

مگر مشکل تو یہ ہے نام سب لیتے ہیں مذہب کا
غرض لیکن یہ ہوتی ہے جتھا ہو اور بھوجن ہو

نورِ عبرت سے منور ہیں دل و چشم و دماغ
آپ تاریک نہ سمجھیں مرے ویرانے کو ۴۲۴

دل پہ مشکل کر دیا دنیا نے اب تمکین کو
سہل کر مجھ پر الٰہی اپنے سچے دین کو ۴۲۵

دل وہ اچھا ہو جو صیدِ چشمِ یار
شعر وہ اچھا کہ جس پر صاد ہو ۴۲۶

۷۵۷ قدم بہت نہ بڑھا غیر کے قیاس کے ساتھ — وہ خوب ہے جو ہے اپنے ہی حواس کے ساتھ

۷۵۸ انسان نے انسان سے کی جنگ ہمیشہ — دنیا کے نظر آئے یہی رنگ ہمیشہ

۷۵۹ دنیا میں لطف بیست ہے طولِ امل کے ساتھ — پیری میں اب کہاں وہ خیالِ اجل کے ساتھ

۷۶۰ کوئی عرب کے ساتھ ہو یا ہو عجم کے ساتھ — کچھ بھی نہیں ہے تیغ نہ ہو جب قلم کے ساتھ

۷۶۱ جو پائے رازِ حسن ازل سے کہے کوئی — سن صوتِ سرمدی کو کلامِ مبیں کو دیکھ
ارشاد ہے کہ شرک نہ کر اور نماز پڑھ — معنی یہ ہیں کسی کو نہ دیکھ اور ہمیں کو دیکھ

۷۶۲ گو سائنس چل رہی ہے مگر اب نہیں جہندہ — مشرق بہ دستِ مغرب مردہ بدست زندہ

۷۶۳ زور بازو نہیں تو کیا اسپیچ — ہاتھ بھی دے خدا زباں کے ساتھ
کون جانے یہ قبر ہے کس کی — نام رہتا نہیں نشاں کے ساتھ
آپ گنوائیں شہد و شیر و کباب — یاں نمک بھی نہیں ہے نان کے ساتھ
اس زمانے میں غیرتِ ملت — رہتی ہے جان کی اماں کے ساتھ

۷۶۴ جو یہ سچ ہو کہ جو چاہوں وہی ہو — تو چاہوں گا وہی ہونا ہے جو کچھ
ہنسانے ہیں وہ کیوں غیبِ رسا کو مجھ پہ — یہی رونا ہے اب رونا ہے جو کچھ

۷۶۵ کچھ پتا اللہ کی مرضی کا پا جائے گا تو — حالتِ موجودہ کا کیا اقتضا ہے اسکو دیکھ

۷۶۶ لاکھ نظریں پیش کھا دوں کہ ہیں بیجا نہ بات — ایک ہی آپ کھا دیں جو ہو اللہ کے ساتھ
تری تنخواہ بڑھی شکر ہے لیکن اے دوست — تیری توقیر نہ ترقی ہوئی تنخواہ کے ساتھ

۷۶۷ عاشق کی طبع لاکھوں ہی جو نہیں ہے رواں — الفاظ کر سکیں گے نہ اُن کا محاصرہ
اے عقل اعتراض سے کچھ فائدہ نہیں — کیوں کرتی ہے زباں سے دل کا مقابلہ

۷۶۸ این سخن مقبولِ اہلِ دل بود ہر آئینہ — بیخودی در سجدہ جا خواہد خودی در آئینہ

٧٦٩

کیا ہے جسنے اس عالم کو پیدا اسکو کیا کہیے — خرد خاموش ہے اور دل یہ کہتا ہے خدا کہیے
اسی حیرت میں عمریں کٹ گئیں اربابِ بینش کی — کسے اللہ کہیے اور کسکو ماسوا کہیے
سرافرازی ہو لوٹوں کی تو گردن کاٹیے انکی — اگر بندر کی بن آئے تو فیضِ ارتقا کہیے
مری قرآں فہمی سے نہوں کیوں بدگماں حضرت — مجھے تفسیر بھی آتی ہے اپنا مدعا کہیے
یہ انکا کورس کیا کم ہے کہ میں بھی کچھ کہوں سنیے — مری جانب سے بس کالج کے لڑکوں کو دعا کہیے
نئی ترکیب شیطان کو سوجھی ہے اغوا کی — خدا کی حمد کہیے ترک بس مجھکو برا کہیے

٧٧٠

اگر ہیں حق تعالیٰ سب کچھ ہے جو سب کچھ ہے تو جھگڑا کیا ہے — اسی ہیں کی خبر لینا ہے کچھ ہے بھی کہ دھوکا ہے
جو روز افزوں نہیں ترکِ تعلق آپ کا اکبر — تو پھر یہ شاعری کیا واہ وا کا اک تماشا ہے

٧٧١

معاذ اللہ دورِ چرخ کیا کیا رنگ لاتا ہے — جنھیں آتا تھا ہم پر رشک اب انکو رحم آتا ہے
نسیمِ صبح اور کلیاں تو دیکھیں اس گلستاں میں — ہم ایسے دل گرفتوں کو بھی یاں کوئی ہنساتا ہے

٧٧٢

طبع پر عبرت کی بدلی ایکدن چھا جائیگی — شوخیِ برقِ فنا انکو بھی تڑپا جائے گی
دل نئے ہیں اور تمنائیں بھی کم عمر ہیں — رفتہ رفتہ نوجوانوں کو سمجھ آجائے گی

٧٧٣

شادی کی کیا خوشی ہے غم کا بھی رنج کیا ہے — وہ بھی تھی ایک بجلی اور یہ بھی اک ہوا ہے
آنکھوں نے خوب دیکھا اور دل نے خوب سمجھا — کچھ بھی نہیں ہے جو کچھ اللہ کے سوا ہے
سعدی کا آئینہ ہے اکبر کا یہ لطیفہ — ہنسنا بھی اک مرض ہے رونا بھی اک دوا ہے

٧٧٤

ایک پاتا ہے ایک کھوتا ہے — ایک ہنستا ہے ایک روتا ہے
سارے اسباب ہیں اسی کے مطیع — جو خدا چاہتا ہے ہوتا ہے

٧٧٥

دل کو جنبش نہیں چلتی ہے زباں بے سود — بے عمل علم کی تکرار سے کیا ہوتا ہے
جب قدم راہِ طلب میں نہ بڑھے اے اکبر — بیٹھکر پاؤں ہلانے کا نتیجہ کیا ہے

۷۷۶ میں نے تو اپنے دل کو روکا ہے — آپ کو بھی کسی نے ٹوکا ہے

۷۷۷ جو کہا میں نے کہ پیار آتا ہے مجھکو تم پر — ہنس کے کہنے لگے اور آپ کو آتا کیا ہے
عام الزام ہے اکبر پہ کہ پیتا ہے کیوں — اسکی پرسش نہیں ہوتی کہ پلاتا کیا ہے

۷۷۸ خدائی تیری ہے ہم کچھ ہیں اے خدا تیرے — مصیبتوں میں پکاریں کسے سوا تیرے

۷۷۹ گذری بہار پھول تماشا دکھا گئے — آنکھیں کھلی ہی رہ گئیں کیا آئے کیا گئے

۷۸۰ اکبر جگر افگار رہے یہ بھی بہت ہے — عزت کیلئے عشق میں اتنا بھی بہت ہے
مطلوب نہیں زینتِ دنیا کا نظارا — اب دیکھ بھی سکتا نہیں دیکھا بھی بہت ہے

۷۸۱ نشانِ ظلم مٹا دے مجھے مٹا کے فلک — خدا کے علم کو کیونکر مٹا سکے گا کوئی
وہ مستغیثوں کی سننے کو آئے تیغ بکف — بھلا زبان شکایت ہلا سکے گا کوئی

۷۸۲ بادۂ باراں مدد کریں جس کی — وہی پودا یہاں پنپتا ہے
ہر طرف سے جو ٹوٹتی ہے آس — آدمی ہر کا نام جپتا ہے
گرمیِ موسمِ شباب اُف اُف — یہ سمجھئے کہ جیٹھ تپتا ہے
فرقتِ دائمی معاذ اللہ — آدمی مدتوں تڑپتا ہے
و نکلنا پڑا اسٹرک کے ساتھ — آج تو میرا گھر بھی نپتا ہے

۷۸۳ عبث اس زندگی پر غافلوں کا فخر کرنا ہے — یہ جینا کوئی جینا ہے کہ جسکے ساتھ مرنا ہے
جو مستقبل کے شائق ہوں انہیں امکاں مبارک ہو — ہمیں تو صرف اب گذرا زمانا یاد کرنا ہے
گلِ پژمردہ سے غنچے کو ہمدردی نہیں ممکن — ابھی تو اسکو کھلنا ہے ابھی اسکو سنورنا ہے
مرا دل مجھ سے کہتا ہے مرے سینے میں اے اکبر — تعجب ہے کہ رہنا سہل ہے مشکل ٹھہرنا ہے
خدا جانے وہ کیا سمجھے کہ گھٹے اسقدر مجھ پر — کہا تھا میں نے اتنا ہی مجھے کچھ عرض کرنا ہے

اُسی کے حکم سے ہر اک شان کی یہ یکجہتی ۔۔۔ اسی کے حکم کا تابع فلک پر ہر ستارا ہی

اُسی کے حکم سے پھل اور غلے کی ہی پیدایش ۔۔۔ زمیں پر بدلیوں سے اُسنے پانی کو اُتارا ہی

اُسی کے انتظام و حکم سے موسم بدلتے ہیں ۔۔۔ وہی ہر وقت پر جسنے ہواؤں کو اُبھارا ہی

زمیں پر سبزہ و گل کی نمودیں کیسی پیاری ہیں ۔۔۔ فلک پر چاند سورج کا بھی کیا دلکش نظارا ہی

کوئی ذرہ نہیں عالم میں اُسکے علم سے باہر ۔۔۔ جو مرضی اُسکی ہو دخل اسمیں دیے کسکو یارا ہی

وہی دنیا میں ہے اس زندگی و موت کا خالق ۔۔۔ ہر اک کو اپنی مرضی سے جلایا اور مارا ہی

دو روزہ زندگی ہی جاہ و حشمت پر نہو غافل ۔۔۔ فریدوں ہی نہ کیخسرو سکندر ہی نہ دارا ہی

یہ جب تک سانس چلتی ہی سمجھتے ہو ہمیں ہم ہیں ۔۔۔ اجل جب سر پہ آپہنچی تو پھر کیا بس ہمارا ہی

کرو طاعت خدا کی بس وہی معبود برحق ہی ۔۔۔ اُسی کی شان یکتائی جہاں میں آشکارا ہی

اگر اعمال اچھے ہیں تو پاؤ گے بڑے درجے ۔۔۔ سمجھ لو امتحاں اس دار فانی میں تمہارا ہی

بزرگوں کا ادب اللہ کا ڈر شرم آنکھوں میں ۔۔۔ انھیں اوصاف کی نسبت مذاہب میں شمارا ہی

٨٠٣ فقیروں ہی کی سمجھا ہی بہتر جو ہشمند ذہنی ہو جیتا ۔۔۔ ہمارے صوفی کا رنگ اچھا کہ وجد آور ہے ہم کتھا

٨٠٤ وہ اس کو محو کلیسا بنا کے چھوڑیں گے ۔۔۔ اسما ونٹ کو خر عیسے بنا کے چھوڑیں گے

کرینگے شوق سے مسلم غذا میں مے داخل ۔۔۔ شراب کو بھی ہریسا بنا کے چھوڑیں گے

کہا یہ شیخ سے اکبر نے روک اپنی زباں ۔۔۔ کہ تجھکو بھی وہ مجھی سا بنا کے چھوڑیں گے

٨٠٥ فریب سراج بجز مستی سکھاہی نہ تا ہی خود پرستی ۔۔۔ ہوا نہ دم بھر جو کی لگاوٹ جنابھی سر اُٹھا کے اٹھے

٨٠٦ نظر وہ ہی جو دل پر نقش حسن مدعا کھینچے ۔۔۔ نفس وہ ہی کہ جو سینے سے آہ دلکشا کھینچے

وہ جان اچھی جو حسرت عہدہ دیدار فردا ہو ۔۔۔ وہی دل خوب جو یہ انتظار جانفزا کھینچے

محبانِ الٰہی خلق سے نخوت نہیں کرتے ۔۔۔ کھنچے بندوں سے کیوں اپنی طرف جسکو خدا کھینچے

نہ چھوڑا صفحۂ روئے زمیں تعمیرِ غفلت نے — ہزاروں نقشِ عبرت گو فلک نے جا بجا کھینچے
حرم میں محو ہو بیٹھا تو اکبر نے کیا اچھا — وہ کیوں بے سود بتخانے میں آہِ نارسا کھینچے

نگاہ اٹھتی ہے احساسِ ماسوا کے لیے — کہاں ہے دل سے رکے ذرا خدا کے لیے
رواں ہو کارِ جہاں کیوں ہماری مرضی پر — خدا ہمارے لیے ہے کہ ہم خدا کے لیے
عمل خدا کے لیے ہو تو اس کا کیا کہنا — مگر ریا ہے بری صرف واہ وا کے لیے

۸۰۹ شبابِ رنگِ عشرت میں جو خوفِ حق سے روتا ہے — وہ گویا اپنی زلفِ سعی میں موتی پروتا ہے

۸۱۰ متاعِ حسنِ یوسف ہے نہ وہ شوقِ زلیخا ہے — ریا کی گرم بازاری ہے زر دوستی کا سودا ہے

۸۱۲ اپنے عیبوں کی نہ کچھ فکر نہ کچھ پروا ہے — غلط الزام بس اوروں پہ لگا رکھا ہے
یہی فرماتے رہے تیغ سے پھیلا اسلام — یہ نہ ارشاد ہوا توپ سے کیا پھیلا ہے

۸۱۳ خزاں آتی ہے اور خاک میں ملنا ہی پڑتا ہے — مگر کلیوں کو اس گلزار میں کھلنا ہی پڑتا ہے
جگر کو زخم سے زخموں کو آہوں سے بچاتا ہوں — مگر ہوتے ہی ہیں زخم اور انہیں چھلنا ہی پڑتا ہے
فنا کے رنگ سے دل خون ہوتا ہے مگر اکبر — زباں کو واہ کرنے کے لیے ہلنا ہی پڑتا ہے

۸۱۴ توپ کھسکی پروفیسر پہنچے — جب بسولا ہٹا تو رندا ہے

۸۱۵ خاصانِ حق کو حشر میں کیسی شکایتیں — عالم ہی دوسرا ہے وہ دنیا نہیں رہی
ایسے ہوئے ہیں محو تماشائے حسنِ دوست — دشمن سے انتقام کی پروا نہیں رہی

۸۱۶ طبیعت سے خیالاتِ غم افزا جا نہیں سکتے — جدا ہو جائے گا داغ دل مرجھا نہیں سکتے
فلک کیا اس چمن میں چین دل کا مجھ سے طالب ہے — کرشمے یاں نہیں سکتیں حنا دل کا نہیں سکتے

۸۱۷ کس طرح کہتا کہ جو چاہوں وہ ہونا چاہیے — کچھ سمجھ ہی میں نہ آیا چاہنا کیا چاہیے
کہہ دیا میں نے کہ ہوں اور یہ نہیں سمجھا کہ کیا — اس خودی کا حشر کیا ہوتا ہے دیکھا چاہیے

طب میں پرہیز شرع میں تقویٰ — پالٹکس میں وہی تبرّا ہے
مذاہب کا جو نہ سمجھے ایک — غالباً عقل سے تبرّا ہے

---

۸۳۳ تقاضا اضطراب شوق کا بڑھتا ہی جاتا ہے — یہ پارہ شیشۂ دل میں مرے چڑھتا ہی جاتا ہے
جو ہم کو برا کہتے ہیں معذور ہیں اکبر — حق یہ ہے کہ ہم بھی انہیں اچھا نہیں کہتے
ہم حضرت عیسیٰ کا ادب کرتے ہیں بجد — لیکن انھیں اللہ کا بیٹا نہیں کہتے

---

۸۳۵ جسنے اس ضعف پہ بھی مجھکو جلا رکھا ہے — میں نے بھی اُسی قوت سے لگا رکھا ہے

---

۸۳۶ اب نہ جنگی علم نہ جھنڈا ہے — صرف تعویذ اور گنڈا ہے
کیا ہے باقی جناب قبلہ میں — کچھ حدیثیں ہیں ایک ڈنڈا ہے
سو وہ ڈنڈا بھی اب ہے ضبط پولیس — ہے زباں گرم قلب ٹھنڈا ہے

---

۸۳۷ علم ابتدا کا ہے نہ خبر انتہا کی ہے — دور انقلاب کا ہے حکومت فنا کی ہے
جغرافیئے سے حال گورنمنٹ پوچھیے — ہم تو یہ جانتے ہیں خدائی خدا کی ہے
مجبور عاجزی پہ ہے منکر کی طبع بھی — خواہش کو کیا سمجھتے ہو صورت دعا کی ہے
جو منزلیں ہیں نفس کی سب ہیں فنا پذیر — حق پر قیام دل ہو یہ صورت بقا کی ہے

---

۸۳۸ اسے جنگی بنائے گی اُسے ذوق بجا دیگی — جدھر چاہیگی یہ فطرت اُدھر اسکو جھکا دیگی

---

۸۳۹ مذہب کسی سے میں نے سیکھا پڑھا نہیں ہے — اتنا ہی جانتا ہوں بندہ خدا نہیں ہے

---

۸۴۰ شکستہ دل تو نہ ہو میں جگر بھی اب خون ہو چلا ہے — خدا کی جو مصلحت ہو وہ بہتر یہی ہیں شاید بہر ابتلا ہے
کوئی ہوا اچھا تو اپنے حق میں کوئی برا ہے تو اسکا وہ — نہ اسکی نعمت کے مستحق تم نہ بد کی تم پر کوئی بلا ہے
نہیں ہے کچھ ان شیطان سے مقابل تو کیا ہے پیچ دل سے حاصل — کمر سے تلوار تو ہے غائب مگر حمایت ابھی بلا ہے
نظر میں ہیں ہادی طریقت قدم ہو سوئے طریق وحدت — یہی ہیں دل میں بھی کہتا ہوں یہی تو دل ملا ہے

۸۴۱ فریبِ ہستی کا کھل گیا ہی نگاہ دنیا کو پا گئی ہی — عمل کی توفیق بھی خدا دے سمجھ تو کچھ مجھکو آ گئی ہی
کہاں سے ارض و سما و کوکب کہاں سے ہم تم کہاں سے یہ سب — قدم کی اک موج ہی زمانا سو یہ بھی اک لہر آ گئی ہی

---

۸۴۲ زباں کھولی ہی محفل میں واہ وا کے لیئے — کبھی تو بند کرو آنکھوں کو بھی خدا کے لیئے

---

۸۴۵ فلاسفی کے مکالموں میں کسی نے یہ خوب ہی کہا ہی — جو تندرستی ہو تیری اچھی تو سانس ہی میں تیرا مزا ہی

---

۸۴۶ شکرِ خالق کی ہمیشہ مجھکو جا ملتی رہی — سانس لینے کے لیئے کافی ہوا ملتی رہی
غم کے داغوں سے رہی ایذا اگر یہ بھی ہوا — مجھکو پیہم لذتِ یادِ خدا ملتی رہی

---

۸۴۸ رفتار اور سمت میں موجِ ہوا کی ہے — اے قصہ گو یہ بدر ضرورت جدا کی ہے

---

۸۴۹ بے ساز و بے مغنی یاں وجد آ رہا ہے — ہر وقت بج رہا ہے ہر ذرہ گا رہا ہے

---

۸۵۰ ہو مجھپہ بتوں کی چشم کرم دل کو طلب اصلا نہ رہی — مجھکو بھی خدا نے غیرت دی انکو جو مری پروا نہ رہی
دنیا کا تردد جبتک تھا جبتک کہ ہم اسکے طالب تھے — پھیری جو نظر غم ہو گئے کم رغبت نہ رہی دنیا نہ رہی
سچ پوچھیے تو راحت ہی ملی دنیا سے جدا ہو جانے میں — تھوڑی سی اداسی ہو بھی گئی ہو آفت تو کچھ برپا نہ رہی

---

۸۵۱ میں یہ نہیں کہتا کہ دوا کچھ نہیں کرتی — کہتا ہوں کہ بے حکمِ خدا کچھ نہیں کرتی

---

۸۵۲ اچھی وہ آرزو کہ جو دل کا ادب کرے — اچھا وہ دل جو درد کی لذت طلب کرے

---

۸۵۳ خاک کے ساتھ کھیلتی ہے روح — تن کی مٹی خراب ہوتی ہے

---

۸۵۴ دل میں خاک اڑتی ہی خالی لب و لہجہ دیکھیے — مذہب اب خصلت ہی بس تاریخِ مذہب دیکھیے

---

۸۵۵ کیوں میں پوچھوں کہ جناب آپکا مذہب کیا ہے — دیکھتا ہی ہوں شب و روز کہ مطلب کیا ہی

---

۸۵۶ صرف عود سے تو آتی نہیں عظمت دل میں — آنکھ کچھ دیکھتی ہے تب وہ ادب کرتی ہی

---

۸۵۷ یہ عقل ہی ہی محتسب بھی عدو بھی ہوتی ہے — کہ مانتی بھی نہیں مضطرب بھی ہوتی ہی
وہی نگاہ جو رکھتی ہی مست رندوں کو — غضب یہ ہی کہ کبھی محتسب بھی ہوتی ہی

کچھ فرض نہیں آپ کا ہر سینہ پہ قبضہ — دنیا میں بہت کچھ ہے تو کیا سب کے لیے ہے ۸۵۹
گر آہ جو تیرہ ہو ترا مطلع امید — یہ شمع شب افروز اسی شب کے لیے ہے

دنیا کی طوالت بیجا ہے خلقت کا تو لمبا قصہ ہے — ہر شخص فقط یہ غور کرے اس کل میں کیا حصہ ہے ۸۶۰

کریں کیا یہ تو ان حضرت کو مطلب سکھاتا ہے — کہیں کیا یہ مناسب قد تیا پر یہ سب سکھاتا ہے ۸۶۱
جہاں قول و عمل یکساں ہیں اور ہے ایک ہی طاقت — تو ان کا پوچھنا کیا ان کو انکا رب سکھاتا ہے

انکو تو ہمیں شب سے کیا کرتے ہیں منسوب — تخصیص کو اک کو فلک پر ہیں شب سے ۸۶۳

نہ ماضی اسپہ غالب ہے نہ مستقبل کا طالب ہے — اسی کو حال کہتے ہیں یہی دل کو مناسب ہے ۸۶۴
مطلع کی یاں مدد نہ کتابوں کا زور ہے — میخانہ دل ہے اس کی شرابوں کا زور ہے

میرا تو ہر سخن اسی مطلب کے ساتھ ہے — کم ہیں خدا کے ساتھ خدا سب کے ساتھ ہے ۸۶۶

پولیس خفیہ پہ انسداد جرم ہے ٹھیک — نہ چاہیے کہ وہ ہو انسداد گپ کے لیے ۸۶۷
کوئی نہ آیا مرے پاس بجز گو جیب کے لیے — جو صورتیں نظر آئیں وہ صرف ہپ کے لیے

نگاہ ظاہر طریق عرفاں میں سوا انکار کیوں نہ ٹپکے — کہاں سے لائے وہ چشم معنی کہ برق چمکے نظر نہ جھپکے ۸۶۹
میں طاقت بینش سے محدود جانتا تھا خبر نہیں تھی — کہ ہوش مجھ کو ملا ہے دل کے نظر بھی مجھ کو ملی ہے بیٹھے
تمہاری تعلیم کے مصالح جو چاہیے سامنے ان پہ شوخی — مری نظر میں تو حسن یہ ہے کہ چشم خوباں سے شرم ٹپکے
ہوا ہی خون آرزو کا اکثر یہ ہے بہار کلام اکبر — سخن کو رنگین دیا ہے دل نے جگر نے تڑپ تڑپ کے
جو میرے دل کا ابھار دیکھا جو رنگ آ سکا تو مجھ کو بھایا — تو پوچھا یہ دل کہاں سے پایا کہا یہ میں نے کسی کو جب سے
انھیں کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات انکی — انھیں کی محفل سنوارتا ہوں چراغ میرا ہے رات انکی
فقط مرا ہاتھ چل رہا ہے انھیں کا مطلب نکل رہا ہے — انھیں کا مضمون انھیں کا کاغذ قلم انھیں کا دوات انکی
یہی خصائل یہی طبیعت یہی تو قسمت یہی رہے گی — زمانہ بدلے گا بھی تو پھر کیا ہماری حالت یہی رہے گی

یہی سبب کاریاں گر ہیں تو نورِ صبحِ امید کیسا — یہی ہے زلف تمہاری کا سودا تو میری ہستی یہی رہیگی
عمل جب اپنے نہیں ہیں اچھے تو ذکرِ عصیاں عبث ہے کیسا — عدو کی قسمت اگر بگڑ بھی جائے تو اپنی قسمت یہی رہیگی
ہزار سا ملمع بنگ لائے ہزار قانون ہم بنائیں — خدا کی قدرت یہی رہیگی ہماری حیرت یہی رہیگی

۸۶۳ تاکیدِ عبادت پہ یہ اب کہتے ہیں لڑکے — پیری میں بھی اکبر کی ظرافت نہیں جاتی

۸۶۴ لحد کی تیرگی سے حق بجانب دل کی وحشت ہے — یہی وہ شب ہے جسکی صبح بھی صبحِ قیامت ہے
مصیبت بہر مومن پرتوِ عرفاں ہے اے اکبر — ظہورِ داغِ دل دیباچۂ صبحِ سعادت ہے

۸۶۶ اُمنگیں ہیں مگر دل میں جنونِ عشق و وحشت کی — پھر ان میں بحث کیا اُفتاد ہی تو ہے طبیعت کی
ہوائے نفس نے محروم رکھا اوجِ عرفاں سے — بتوں کے زیرِ پا دیکھی بلندی اپنی ہمت کی

۸۶۸ ٹھیک ہے مصرعے کا مضمون قافیہ گو سخت ہے — اہلِ دل نالاں ہیں جس سے وہ بڑا کمبخت ہے

۸۶۹ جو مضطرب ہے اُس کو ادھر التفات ہے — آخر خدا کے نام میں کوئی تو بات ہے

۸۷۰ ذوقِ اعضا صرف استحقاقِ جنت ہی میں ہے — فیصلہ جینے کے حق کا دستِ فطرت ہی میں ہے
کینہ و پیکار میں گئی جس تو ہے اک حظِ نفس — زیست کا اصلی مزا لیکن محبت ہی میں ہے

۸۷۱ کیا خبر تھی کہ گناہوں سے ہے عزت میری — قابلِ دید ہے توبہ پہ ندامت میری
میں عبادت کا تقاضا نہیں کرتا اُن سے — اتنا ہی کہتا ہوں اچھی نہیں حالت میری
قامتِ یار پہ حاوی جو ہوئی زلفِ دراز — بل کی لیتی ہے کہ دیکھو یہ قیامت میری
اُسکو امید ہے اسکی کہ یہ اچھا ہوگا — کون سو وقت میں کرتا ہے عیادت میری

۸۷۳ دیدۂ تحقیق سے دنیا کی حالت دیکھیے — نفس کی ہر لذت اور آخر نجاست دیکھیے

۸۷۴ دولت و عزت سے بیگانہ نہیں حالت میری — مصیبت میری دولت صبر ہے عزت میری

۸۷۵ جہاں تک تھی قیامت ہے جہاں حسرت کا سامنا ہے — نگاہِ جویائے امرِ حق کو یہاں مصیبت کا سامنا ہے

عذاب کی یہ زیادتی ہے کہ ابن منظور ہے کمی کچھ | جہنم میں جو جگہ ملی ہے وہاں سے جنت کا سامنا ہے

۸۸۶ نفس نابینا حریص و طالب لذات ہے | عقل کی خدمت فقط ترتیب محسوسات ہے

ان مشاغل میں تو اے اکبر نہیں کچھ اوج دل | روح کی طاقت جو غالب ہو تو ہاں اک بات ہے

۸۸۷ آئے وہ خنجر بکف میں ڈر کے مارے مر گیا | انکی ورزش رہ گئی میری شہادت رہ گئی

باغباں خاموش گل پژمردہ اور گلشن اداس | جب ہوا بدلی تو ساری زیب و زینت رہ گئی

۸۸۸ حضرت کی معاشرت بہت اچھی ہے | مشہور ہیں انتظام راحت کے لیے

اپنے مذہب میں کیوں بلاتے ہیں مجھے | جنت کے لیے کہ لطف صحبت کے لیے

۱۹۰ اس عہد میں شاعر کیلئے قوت نہیں ہے | اس باغ میں طوطی کیلئے قوت نہیں ہے

نیچر میں جو الی کو تو موجود ہی پایا | سائنس سے سنتے تھے کہیں چھوت نہیں ہے

لفظوں ہی کے چکر میں ہیں اب افعل و فعلن | چرخہ ہی چلا کرتا ہے اور سوت نہیں ہے

نیچر ہی کا مطیع ہے بہت معتبر اکبر | تم دیکھتے ہو پھل میں کوئی چھوت نہیں ہے

۸۹۱ مرزا ہوں یا خانصاحب ہوں دونوں کی صحبت ہمکو ہے | وہ نام کے ہیں یہ کام کے ہیں دونوں کی ضرورت ہمکو ہے

۸۹۳ مذہب کیواسطے نہ شرافت کیواسطے | ہے اب تو جنگ علم و تجارت کے واسطے

لے ہی گئے گھسیٹ کے مجھکو پولٹ پہ | تیار ہو رہا تھا میں جنت کے واسطے

۸۹۴ جوش جنوں میں بھی عمل ذہن حیثیت ہے | احساس میں ہے فرق تعقل رہت ہے

۸۹۹ ہو رہا ہے ہر طرف قانون فطرت کا نفاذ | انقلاب عالم فانی خدا کے ہات ہے

جو ہوا وہ کیوں ہوا اسکی تو تہ جیبیں بہت | چاہتا جو ہوں وہ کیونکر ہو یہ مشکل بات ہے

کام لیتا رہ امیدوں سے دعا کر صبر کر | امتحانی زندگانی موجد آفات ہے

۹۰۰ مایوس ہیں باغ عالم میں سے امید یاری چھوٹ گئی | جس شجر کو سینچا سوکھ گیا جس شاخ کو باندھا ٹوٹ گئی

۹۰۱ ہماری خاطر ہو جمع کیونکر کہ یاس رہ رہ کے ٹوٹتی ہے — الم کا اک سلسلہ ہو قائم امید رہ رہ کے ٹوٹتی ہے

اگرچہ حضرت کا بھی ہو طالب مذاقِ رندی ہے مجھ پہ غالب — جو شیخ چھوٹیں تو چھوٹ جائیں اب اس کی مجھ سے چھٹتی ہے

ہجوم سحر جوشِ شوقِ دل سے سرور افزا انبساطِ باطن — کلی بھی گل کی چٹک رہی ہے کرن بھی صبح کی پھوٹتی ہے

۹۰۲ تقلیل غذا میں ہو پیرمنٹ یہی ہے — کر ضبط ہوس سلف گورمنٹ یہی ہے

۹۰۳ وہ بات تو کھری ہے ہرگز نہیں ہو کھوٹی — عربی میں نظم لکھ بی اے میں صرف روٹی

لیکن جناب لیڈر ہنس کر یہ شعر بولے — بندھوائیں گے یہ حضرت اس قوم کو لنگوٹی

اس بات کو خدا ہی بس خوب جانتا ہے — کس کی نظر ہو غائر کس کی نظر ہے موٹی

۹۰۴ مذاقِ بادہ کشی تھا خلاف حکم خدا — تحمل ہو کہ بہت کچھ حد اس کی ٹوٹ گئی

عجیب نسخۂ عرفاں دیا تصوف نے — کہ نشہ تیز ہوا اور شراب چھوٹ گئی

۹۰۵ دریا میں تو صاحب کے اگن بوٹ میں ہارے — میدان الکشن میں گئے ووٹ میں ہارے

۹۰۶ تہذیب دم بخود ہے طمع کی گسنیٹ سے — حضرت بھی کام لینے لگے ہاں پیٹ سے

ممنون تو میں ہوں ترا اے سایۂ شجر — سر پر مگر عذاب ہے چڑیوں کی بیٹ سے

عزت کی تو شناخت نہیں ہے مگر مجھے — لذت ضرور ملتی ہے کونسل کی سیٹ سے

۹۰۸ جب فہم ہوا چڑھا لیں وہ تو لیں اکھٹی — ملا کی دوڑ مسجد کیسر کی دوڑ بھٹی

۹۱۰ اصل اللہ سے لگاوٹ ہے — ورنہ مذہب میں سب بناوٹ ہے

۹۱۲ مجھے یہ انقلاب ہر ایک خطرے کا باعث ہے — مری طبع رواں اک ماہیِ بحرِ حوادث ہے

۹۱۵ میں کیا کہوں شکایت کل کیا تھی آج کیا ہے — جینا ہی رنج وہ ہے اسکا علاج کیا ہے

قوت نہیں ہے جس میں کیونکر وہ چاہتا ہے زینت — جب تخت ہی نہیں ہے پھر فکر تاج کیا ہے

۹۱۶ مجھے حیات کی اب احتیاج ہی کیا ہے — کہ مر رہوں تو اسکا علاج ہی کیا ہے

سُنا تھا کل کہ ترقی ٹھہر پائے گی کل — مگر جو غور سے دیکھا تو آج ہی کیا ہے

مقابل تمہارے پیچ سب ہیچ ہے — مگر تو ہی خود پیچ در پیچ ہے ۹۱۷

مذہب کی پناہ آخر کوئی اور کفر کی زد سے بچ نکلے — ہر دم ہے یہی سب اپنی دعا اللہ کا ہو تو بچ نکلے ۹۱۸

اسکی حرکت ہے کلید مغربی پر منحصر — دل یہ سینے میں ہے یا پاکٹ کے اندر واچ ہے ۹۱۹

نجد کے نغمے کہاں ان مغربیوں کے سامنے — دیس کو جس نے بھلایا یہ وہی محتاج ہے

ہوم رولی بن گئے ہیں بھی سب ہی سنتا ہوں آ — آئرش کوئی، کوئی انگلش کوئی اسکاچ ہے

دنیا یونہی ناشاد یوں ہی شاد رہے گی — برباد کیئے جائے گی آباد رہے گی ۹۲۰

گلچیں کا ستم بھول بھی جاؤں کبھی شاید — صیاد کی بیداد مگر یاد رہے گی

نالے ستم افزا ہیں تو روکوں گا زباں کو — دل ہی میں نہاں سب مری فریاد رہے گی

اگرچہ مضمون زندگی میں الم کی تمہید بھی بڑی ہے — خدا کے فضل و کرم سے لیکن مجھے تو امید بھی بڑی ہے ۹۲۱

طلب کی منزل میں رنج و راحت سے رہتا ہوں اعتدال قائم — بہت ہی رمضان کی جو سختی مسرت عید بھی بڑی ہے

سنو اپنا غفلت سے موڑ کر منہ نماز ہرگز نہ چھوڑنا کر — بہت فوائد ہیں اسکی اندر اور اسکی تاکید بھی بڑی ہے

بتوں کی بات سے دل مائل فریاد ہوتا ہے — مگر کہنا ہی پڑتا ہے کہ سب ارشاد ہوتا ہے ۹۲۲

مرے صیاد کی تعلیم کی ہے دھوم گلشن میں — یہاں جو آج پھنستا ہے وہ کل صیاد ہوتا ہے

جب حکم ہی ہے کوشش بے سود سمجھئے — کوئے بتاں میں خوب اچھل کود کیجئے ۹۲۳

سینے میں دل آگاہ جو ہو کچھ غم نہ کر ناشاد ہی — بیدار اگر ہے مشغول تو ہے نغمہ نہ سہی یاد ہی ۹۲۴

ہر چند بگولا مضطر ہے اک جوش تو ہے اسکے اندر ہے — اک حد تو ہے اک قفص تو ہے گلچیں ہی سہی صیاد ہی

وہ خوش کہ کرونگا میں جسے پابند قفس پا ہی رکھونگا — میں خوش کہ لطف لیتے ہے مرا صیاد بھی جلاد ہی

جمعیت خاطر ہو نہ سکی اسباب الم موجود ہے — کرتے ہیں مگر ہم شکر خدا حاسد تو محسود رہے ۹۲۵

۹۲۱	کاردنیا سے ہماری دل کشی مفقود ہے	جدت اس شے میں کہاں سے آئے جو محدود ہے
۹۲۴	رہا نہ خانۂ ہستی میں دل کو لطف کوئی	بس اب تو مجھ کو یہ حسرت ہی کے سفر میں ہے
	نہ میں کسی پہ ہوں نازاں اب اور نہ مجھ پہ کوئی	کسی کی گود میں میں ہوں اور نہ کوئی گود میں ہے
۹۲۵	دل نواز و حق نما ان کا ہر اک ارشاد ہے	دیدۂ صاحب نظر میں صبح قبول پر صاد ہے
۹۲۸	عشق کو کیوں بے خودی مقصود ہے (جواب)	حسن بے حد ہے خودی محدود ہے
	منکشف ہو جائیں اسرار خودی	بے خودی کا بھی یہی مقصود ہے
	شرم آدم ہے اطاعت نفس کی	وہ ملائک کا اگر مسجود ہے
۹۲۹	سنتا ہوں مجھے رخصت فریاد ملے گی	منظور تماشا ہی ہے یا داد ملے گی
	مل جائے نظر ان کی۔ دعا مانگ رہے تھے	معلوم نہیں تھا ستم ایجاد ملے گی
۹۳۰	ذرہ ذرہ اپنی حدبندی میں مست و شاد ہے	تفرقے کے جوش پر ہر سو مبارکباد ہے
	حافظے کے فیض نے رد کیا ہے باب اتحاد	شکوہ انگیز اک اک قصہ ہر اک کو یاد ہے
	واعظ توحید پر دیتے ہیں فتوائے جنوں	خود پرستی کا سبق ہے کافری استاد ہے
۹۳۱	میں تو ہمدرد ہوں بس ان کی گرفتاری کا	قید ہستی سے جو مشتاق ہیں آزادی کے
	ڈھونڈنا چاہیے تھا اکبر بے کس کو یہاں	ایک ویرانہ بھی ہے متصل آبادی کے
۹۳۲	نیک ہو منزل تو اکبر راہ بد کیوں اپنائیے	دوستی کے اہل کو دشمن سے مدد کیوں مانگیے
۹۳۴	حرص دنیا ظلمت دل کی موید ہی رہی	پھر بھی یہ پیران [illegible] کی مرشد ہی رہی
۹۳۵	تو رہے جب تو یہ مشکل ہے تردد نہ رہے	یہ تو آسان ہے کہ [illegible] کہ تو خود نہ رہے
	چھا گئی [illegible] تو میں [illegible]	یعنی کیوں [illegible] نہ رہے
۹۳۶	[illegible]	اندیشہ [illegible] ادب کی حد [illegible]

۹۴۷
آ گیا ہوں تنگ [illegible] بیزار ہے | [illegible] رہائی زندگی کی قید سے

۹۴۸
گو سب کو پہنچ [illegible] | [illegible] سمجھتے نہیں کہ مقصود ہی ہے
آنکھوں میں [illegible] کے نقشے | [illegible] موجود ہی ہے
اللہ ہی کی [illegible] سے پہنچا ہرا دل | [illegible] و کرم وجود ہی ہے

۹۴۹
گذر کی جب نہ ہو صورت گذر جانا ہی بہتر ہے | ہوئی جب زندگی دشوار مر جانا ہی بہتر ہے
رہِ اصلاح میں گو تیز گامی خوب ہے لیکن | قدم کو لغزشوں سے بچ کے ٹھہر جانا ہی بہتر ہے
موافق دیکھ کر اظہارِ مردی چاہیے اے دل | ذرا ایسی کھیل میں بچے تو ڈر جانا ہی بہتر ہے
بٹھایا ہو بتوں نے بزم میں جب اپنا ہی سکہ | جو ہوں اللہ والے انکو اٹھ جانا ہی بہتر ہے
بلاتا ہے مجھے بتخانے سے شیخِ حرم اکبر | نہ جانا گو کہ جائز ہے مگر جانا ہی بہتر ہے

۹۵۰
رزق با احتیاج مل ہی جائیگا | خواہشوں میں مختصر ہو جائیے
فقر سے شیطاں ڈراتا ہو اگر | حسبنا اللہ سے نڈر ہو جائیے
خیر خواہی کر کے سر ہو جائیے | ورنہ مفقود الخبر ہو جائیے

۹۵۱
کیا پوچھتے ہو طوقِ غلامی کو کدھر ہے | اپنا ہی تعلق ہے یہ اور اپنا ہی گھر ہے
پیدا ہی غلامی زن و فرزند کے دم سے | پروا نہ ہو انکی تو بشر آزاد بشر ہے
یعنی وہ چلا چاہینگے دنیا کے مطابق | عزت نہ محلے میں گھٹے اس کا خطر ہے
تم دل کو لیے پھرتے ہو وہ نفس کے حامی | رہتی ہے غرض دین کی عزت کو ضرر ہے
ایسے بھی ہیں طینت ہی میں جنکی ہے غلامی | پابندیِ دنیا کا رگِ دل میں اثر ہے
خالق پہ بھروسا ہو تو عزت نہیں گھٹتی | افسوس کہ انسان بہت پست نظر ہے
محنت کا دیانت کا قناعت کا شجر ہو | جس پیڑ کا پھل آئے وہ عزت کا ثمر ہے

٩٥٢ تم سے استاد ونہیں میری شاعری بیکار ہے
ساتھ سازنگی کا بلبل کے لیئے دشوار ہے

٩٥٣ جنھیں ہے شرک سے نفرت خدا کو ایک کہتے ہیں
یہ انھیں کیوں ابھی تک جنگ و تکرار باقی ہے
سبب اسکا تو ہے ظاہر خدا لب پر خودی دل میں
بتان سنگ ٹوٹے ہیں بت پندار باقی ہے

٩٥٤ ہمارا مشرقی دل نزع میں ہے وقت آخر ہے
نہیں مغرب کو غم اسکی نظر میں تک کافر ہے
غرور اتنا نہ کر قوت پر اپنی اے بت ترسا
ہمارے ہوش غائب ہیں مگر اللہ حاضر ہے
یہ دل حاضر ہوئی ہے قوم بزم عشق دنیا میں
بس اک میری طبیعت ہے کہ اب تک غیر حاضر ہے

٩٥٥ جو ہیں صیاد تم انھیں طاعت دشوار کیا کم ہے
نہوں صیاد تم تو انپر معذرت کا بار کیا کم ہے

٩٥٧ رہتے ہیں اس خیال میں ہم اپنے گھر پڑے
کیوں لوگ چاہتے ہیں کہ ہم پر نظر پڑے

٩٥٨ مشتاق حق کیو اسطے نعمت کا ڈھیر ہے
بس زندگی حجاب ہے مرنے کی دیر ہے

٩٥٩ جب یہی اصلاح بشر دنیا میں پھر آخر کون کرے
غفلت سے سوا اس محفل میں مہمان کی خاطر کون کرے
اک علم تو ہے دولت بننے کا اک علم ہے حق پڑھنے کا
اس علم کی قیمت بیچتے ہیں اس علم میں ماہر کون کرے
غوطہ تو لگا لے زمزم میں اور غرق ہے حب دنیا میں
پانی نے بدن کو پاک کیا اب جان کو طاہر کون کرے
مذہب کی ہے دھوم اور ساتھ اسکے احسان نہیں اخلاق نہیں
چپ چپ کی صلح ہے جا بے ظرف اس راز کو ظاہر کون کرے
جب علم ہی عاشق دنیا ہو پھر کون بتا راہ خدا
جب خضر ہی تاجر ہوں تو پھر ناامید مسافر کون کرے
سودا بھی ہے رنگ طبع لیکن نظارہ ہی بیتاب میں پنہا جب ہو
اکبر کو بھی غش آجائے تو پھر اس کام کو آخر کون کرے

٩٦٠ عشق کہتا ہے بیان حال کی پروا نہ کر
تیرے دل کی خو بخو دانکو خبر ہو جائے گی
مجھکو اک حیرت ہے اپنے شوق کی امید پہ
کیا نگاہ مہر الفت کی نظر ہو جائے گی
میں نے پوچھا ہے تمھیں مجھ سے محبت یا نہیں
ہنس کے فرمایا نہیں اب تک مگر ہو جائے گی
میں یہ سمجھا فرقت میں یہ بول اٹھے وہ سوتیں چھپ سے
کس طرح مانوں محبت بے اثر ہو جائے گی

قالب میں جان آئی تو کیا آئی سفر کرنے لگی ۔ ہر سانس مجھ کو موت سے نزدیک تر کرنے لگی ۹۶۳

عجب پیچیدگی ہے صورت و معنی کی دنیا میں ۔ جو نافع ہے وہ باطن ہے جو دلکش ہے وہ ظاہر ہے ۹۶۴

خالی حرم کو شیخ ہی تنہا نہ کر گئے ۔ حیرت میں بت بھی ہیں کہ برہمن کدھر گئے ۹۶۵
سودائے مغربی سے ہیں سب کے حواس گم ۔ ایسی یہ تپ چڑھی ہے کہ چہرے اتر گئے
آیا وطن میں پھر کے مگر اسکی کیا خوشی ۔ جن جن کو پوچھتا ہوں یہ سنتا ہوں مر گئے

گم کی تھی ہم نے راہ مصیبت یہی تھی سخت ۔ اس پر ہوا یہ قہر کہ تم ایسے خضر ملے ۹۶۶
کس سے میں پوچھتا گل و بلبل کی سرگذشت ۔ دو چار برگ خشک تھے تو دو چار پر ملے
باتیں بھی مجھ سے کیں ہی خاطر بھی کی بہت ۔ لیکن مجال کیا جو نظر سے نظر ملے

ٹیمز کے ساحل پہ جاکر دیکھئے قسمت کی فال ۔ گومتی پر شیعہ و سنی نے کیوں تکرار کی ۹۶۷
سر سے سودائے حرم نکلے خدا سے دل پھرے ۔ دیر میں پھر کیا لگی ہے گرمی بازار کی

تہذیب نو جسے تم کہتے ہو اس سے اکبر ۔ دنیا بگڑ رہی ہے یا سنور رہی ہے ۹۶۸
نقشوں کو تم نہ جانچو خلقت سے مل کے دیکھو ۔ کیا ہو رہا ہے آخر کیسی گذر رہی ہے

دل میں خوشی بہت ہے یا رنج اور تردد ۔ کیا چیز جی رہی ہے کیا چیز مر رہی ہے ۹۶۹

زندگی بے لذت ہے دشوار ہے ۔ سانس لینا اب مجھے بیگار ہے ۹۶۹

امید ٹوٹی ہوئی ہے میری جو دل مرا تھا وہ مر چکا ہے ۔ جو زندگانی کو تلخ کر دے وہ وقت مجھ پر گذر چکا ہے ۹۷۰
اگرچہ سینے میں سانس بھی ہے نہیں طبیعت میں جان باقی ۔ اجل کو ہے دیر اک نظر کی فلک تو اپنا کام کر چکا ہے
غریب خانے کی یہ اداسی یہ نادرستی نہیں قدیمی ۔ چہل پہل بھی کبھی یہاں تھی کبھی یہ گھر بھی سنور چکا ہے
یہ سینہ جس میں یہ داغ ہیں اب مسرتوں کا کبھی تھا مخزن ۔ وہ دل جو ارمان سے بھرا تھا خوشی سے اس میں ٹھہر چکا ہے
غریب اکبر کے گرد کیوں ہیں جناب واعظ سے کوئی کہہ دے ۔ اسے ڈراتے ہو موت سے کیا وہ زندگی ہی میں مر چکا ہے

۹۷۱
عشق ہی میں اُسکے حسنِ پاک کا اظہار ہے — اشتیاقِ دید کی تکمیل ہی دیدار ہے
ہر تعلق سے جدا کرکے تو اپنے دل کو دیکھ — دل وہ ہے جو بے ہمہ ہونے پہ بھی خوددار ہے
ہجر میں اُس گُل کے مجھ پر سانس لینا بار ہے — زندگی ظالم مگر اب تک گلے کا ہار ہے
داد دے رفتار کی سستی پہ کیا ہے معترض — آبلہ ہے پانوں میں اور آبلے میں خار ہے
دعوتِ دیوانگی دیتا ہے نورِ آفتاب — یہ شعاع اے دل گریبانِ سحر کا تار ہے

۹۷۲
نفس تو کہتا ہے ہر دم یہ کرنا چاہیے — کیوں کوئی پوچھے کہ کیونکر جی کے مرنا چاہیے
نفس کی خواہش کے آگے عقل کی سنتا ہے کون — یہ کہیں کس سے کہ اس غفلت سے ڈرنا چاہیے

۹۷۳
ہمان بہ کز حدیثِ دی و فردا بے خبر باشی — بہ ذوقِ لم یزل امروز سرتاپا نظر باشی
بکش دامانِ شبِ تیرہ و شمعِ دل فروزان کن — چرا افتادہ در بندِ گریبانِ سحر باشی

۹۷۴
تجھے اے امیدِ فردا دل و جاں سے پیار کرتے — مگر اپنی زندگی کا نہیں اعتبار کرتے
ہے بتوں کی خودنمائی مری غفلتوں سے قائم — میں اگر نظر نہ کرتا تو وہ کیوں سنگار کرتے
لیا ہم نے بوسۂ رخ تو نہ بدگماں ہو اے جاں — کوئی پھول دیکھ لیتے تو اسے بھی پیار کرتے
ترے ہاتھوں کی یہ زینت تو ہے شاخِ گل سے افزوں — ہمیں دسترس جو ہوتا تو گلے کا ہار کرتے

۹۷۵
جفائیں بھی ہیں فریب بھی ہے تم تو بھی ہو ستمگار بھی ہو — پھر اس پہ یہ جو ہے حق پہنچتی کو اس پہ یاں اعتبار بھی ہے

۹۷۶
پھیلائیے نہ پانوں کو زنجیر کے لئے — دنیا سے ہاتھ اٹھائیے تکبیر کے لئے

۹۷۷
دل مرا اور خواہشیں اُسکی یہ کیا اندھیر ہے — سحر ہے یا ظلم ہے یا کچھ سمجھ کا پھیر ہے
لوگ کہتے ہیں یہاں کعبہ کبھی آباد تھا — شاید ایسا ہی ہوا ہو خاک کا اک ڈھیر ہے

۹۷۸
جاں بر نہ ہو سکا تو فرقت کی شب سحر کی — تھوڑی سی نہیں تھی آخر حکایت رات بھر کی

۹۷۹
ہو اگر سینے میں ناسور ہوا جاتا ہے — غم سے دل خون تھا اب نور ہوا جاتا ہے

دیکھ ہی لو گے زمانے میں قیامت برپا ۔۔۔ نالۂ خستہ دلاں صور ہوا جاتا ہے

۹۸۰ چشمِ بتاں نے نفس کی خواہش ابھار دی ۔۔۔ دنیا ہماری دشمنِ دیں نے سنوار دی
لذت خدا کے نام میں کچھ کم نہ تھی مگر ۔۔۔ پیشِ تکلم زبان نے ہمت ہی ہار دی
بندوق کا نہیں ہے جو لیسنس غم نہیں ۔۔۔ میں نے تو اس خیال ہی کو گولی مار دی

۹۸۲ جس طرف دیکھو خیالِ تیزیٔ رفتار ہے ۔۔۔ منزلِ مقصود کیا ہو یہ سمجھ دشوار ہے

۹۸۴ قرار دل کو نہیں حسنِ انتشار تو ہے ۔۔۔ وصالِ یار نہیں ہے خیالِ یار تو ہے

۹۸۶ اتنا جیے کہ جاننے والے گزر گئے ۔۔۔ پرساں رہا نہ کوئی تو چپ چاپ مر گئے

۹۸۹ تم دیکھتے ہو اکبر دنیا کا رخ کدھر ہے ۔۔۔ یہ وقت الاماں ہے یہ وقت الحذر ہے

۱۹۲۰ حیرت سے دیکھتا ہوں ہر صاحبِ خرد کو ۔۔۔ اس کی زباں کدھر ہے اور اس کا دل کدھر ہے

۹۹۰ کیا ہو رہا ہے دل میں اثر کچھ نہ پوچھئے ۔۔۔ کس پر پڑی ہے میری نظر کچھ نہ پوچھئے
کیا کر رہی ہے کبر شکن قدرتِ خدا ۔۔۔ ہے پوچھنے کی بات مگر کچھ نہ پوچھئے

۹۹۱ جینے والوں ہی کے ہیں ہنگامے ۔۔۔ خلق انھیں پر نگاہ کرتی ہے
مست دنیا میں ہیں یہ کیا جانیں ۔۔۔ مرنے والوں پہ کیا گذرتی ہے

۹۹۲ خدا کے گھر سے اب آئی جو خبر آئے ۔۔۔ بتوں کے پاؤں پہ ہم کو تو سر نظر آئے

۹۹۳ ہوا کیوں شوق آزادی کا جب سمجھ ایسی تھی ۔۔۔ دل ایسا کیوں ملا ہم کو کہ جب تقدیر ایسی تھی

۹۹۴ خرد کی ناتوانی ہے نظر کی ناصبوری ہے ۔۔۔ ہوا جو کچھ ضروری تھا جو کچھ ہوگا ضروری ہے

۹۹۵ حادثے اپنے طریقوں سے گزرتے ہی رہے ۔۔۔ کیوں ہوا ایسا یہ ہم تحقیق کرتے ہی رہے
صفحۂ ہستی پہ آخر کس قلم کی ہے کشش ۔۔۔ نقش مٹتے ہی رہے لیکن ابھرتے ہی رہے
انتظار آخر اجل سے کر گیا پایاں ہم کنار ۔۔۔ چشم بد دور آپ اپنے گھر سنورتے ہی رہے

۱۰۱۲

رشتۂ توحید سے لپٹا نہیں تارِ نظر — اُلجھنیں کیں خوب پیدا سبحہ و زنّار نے
چل گئی موسیٰ کی لاٹھی رہ گیا جادو کا کھیل — ساحروں کے سانپ کو مارا خدا کی مار نے
ریل کھینچے تک اگر انجن بھی گئی تو ناز کیا — عرشِ باری تک نہیں پائی رسائی تار نے
دید کی تھا ہجر کی شب وہ ہجومِ انتظار — اور دیکھا ہی نہیں کچھ دیدۂ بیدار نے
باپ ماں سے شیخ سے اللہ سے کیا ان کو کام — ڈاکٹر جو بنا گئے تعلیم دی سرکار نے

۱۰۱۳

جب آنکھ کھلنے میں ہو جھپک جب منھ میں زباں جنبش سے ڈرے
اس قید میں کیونکہ جینا ہو اللہ ہی اپنا فضل کرے
کیا ناز ہو ایسی ساعت پر افسوس ہے ایسی حالت پر
یا جھوٹ کہے یا کچھ نہ کہے یا کفر کرے یا کچھ نہ کرے
قائل کو بھروسا قوت کا اور ہم کو خدا کی رحمت کا
ہونا تھا جو کچھ وہ ہو ہی لیا وہ بھی نہ رکا ہم بھی نہ ڈرے

۱۰۱۸

دل کی بیتابی ہے ثابت آنکھ کے اظہار سے — بجلیاں پیدا ہوئی ہیں آنسوؤں کے تار سے
جب طبیعت خوش نہیں تو کیا کرے اچھا مکاں — دل بہل سکتا نہیں بنا در و دیوار سے

۱۰۱۹

چشمِ بینا تو نے پائی ہے تو یہ دنیائے دوں — اک نہ اک دن تیری نظروں سے اتر ہی جائے گی

۱۰۲۰

کس قدر دلکش نگاہِ ساقیٔ مخمور ہے — صبر بھی بیتاب ہے تقویٰ بھی اب معذور ہے
خانۂ ہستی کی ترکیبوں میں کیا دخلِ خرد — حکم ہے تقدیر کا تدبیر اک مزدور ہے
میں جسے سمجھا ہوں میں وہ نفس کی ہیں خواہشیں — میں حقیقت میں جو ہوں مجھ سے نہایت دور ہے
امتحانوں سے ہوئی طے بحثِ جبر و اختیار — فیل جب ہو جائیے تب آدمی مجبور ہے
آپ سے مل کر میں کیوں نقصان اٹھاؤں اے جناب — آپ کو جب صرف اپنا فائدہ منظور ہے

ڈارون صاحب یہ اچھا مسئلہ سمجھا گئے — دعویٰ مخدومیت میں مست ہر لنگور ہے

۱۰۲۴ تدبیر بشر خوب اُلٹ پھیر کریگی — رفتار فنا سب کو مگر زیر کریگی

۱۰۲۵ زندگی سے میرا بھائی سیر ہے — پھر بھی خوراک اسکی ڈھائی سیر ہے

۱۰۲۶ حق پرستی کا نشاں اب قبر ہے یا صبر ہے — اور جو کچھ ہے عقیدوں پر فقط اک جبر ہے

۱۰۲۹ اے شیخ ہند برہمنوں کے گلے لگے — تسبیح بن کے گئے تھے زنار ہو گئے

اس منزل فنا میں جم رکھی بنا تو کیا — دیوار اُٹھا کے نقش بہ دیوار ہو گئے

۱۰۳۱ نہ چھوڑ دل کو کسی دلشکن اثر کے لیئے — ہے مبتدا یہ خبر دوسری خبر کے لیئے

۱۰۳۲ جنونِ عشق سے انسان کی طینت سنورتی ہے — یہی مستی وہ ہے جو عقل کو ہشیار کرتی ہے

یہ سچ ہے یہ نجر ہے نصف دنیا نصف دنیا ہے — کہ یہ تم بھی ہے مصروف اور وہ چین کرتی ہے

بیاں اپنے اثر میں حسن کی قوت لا نہیں سکتا — زبانیں کہہ نہیں سکتیں دلوں پر جو گذرتی ہے

وہ اندازیں مجھے اے یوسفی دیں ہیں اے اکبر — کہ امید اب قدم رکھتے ہوئے بھی دل میں ڈرتی ہے

سخن سچّی کا کیا کہنا مگر یہ یاد رکھ اکبر — جو سچّی بات ہوتی ہے وہی دل میں اترتی ہے

۱۰۳۴ نہ سہی [illegible] کی خوبی گفتار سہی — ہے تو اکبر میں بھی اک بات گنہگار سہی

دل پہ تسبیح میں مصروف ہو حاصل ہو مراد — قشقہ بالائے جبیں دوش پہ زنار سہی

۱۰۳۸ خالق ہی [illegible] ہے فطرت کی چولڑی ہے — بینا وہی ہے جسکی اسیر نظر پڑی ہے

۱۰۳۹ ذرّہ ہائے خاک کس سبب جکڑے گئے — جینے مرنے کے تماشے کے لیئے پکڑے گئے

بے اطاعت ناتواں کا کام چل سکتا نہیں — جھک گئے تو رہ گئے قائم۔ اکڑ اکڑے گئے

۱۰۴۰ ہم اس زمانے میں رہتے ہیں اپنے گھر میں پڑے — ہوا ہی بدلی ہوئی ہے فلک سے کون لڑے

خدا ہی ہمکو اٹھائیگا جب تو اٹھیں گے — ابھی تو چپ ہیں کوئی لاکھ اعتراض جڑے

اگر اٹھے تو علم اپنا گاڑ لیں گے کہیں — جو اٹھ گئے تو یہی قصہ ہی ختم خود ہی گھٹے

۱۰۴۲ — عرفان ضو فگن ہے شریعت کی آڑ سے — آتش فشاں زمیں دبی ہے پہاڑ سے

۱۰۴۳ — خدا کی مار کہ کرتا نہیں ہیں کچھ مذکور — طبیعت اور ہی پہلو پہ جا کے لڑتی ہے

نہ رہ سکے گی لطافت جو زن ہے بے پردہ — سبب یہ ہے کہ نگاہوں کی مار پڑتی ہے

۱۰۴۴ — عقل کو فردا و دی کے غم میں سوز و ساز ہے — عشق ہی اچھا کہ مست جلوۂ امروز ہے

پھیر ہی لی ہے جمالِ بے بدل سے آنکھ — ورنہ ہر نقشِ نظر انساں کو عشق آموز ہے

زیست میں ہر دم ہے محتاجِ فنا ہر ذی حیات — زندہ دل وہ ہے جسے ہر سانس عجز آموز ہے

۱۰۴۸ — بدلی ہوئی رت محسوس ہوئی بھونرے کی اٹھی آواز نئی — فطرت کی بسنتی یہ ٹھہری بیگانہ و بے ساز نئی

۱۰۴۹ — دل نہ مایوسی پہ مائل ہے نہ محوِ ناز ہے — منزلِ ہستی میں ہر انجام اک آغاز ہے

۱۰۵۱ — چرخ کیا ہم بھی جو چشمِ سرمگیں پر لیس لیے — یہ بلائیں اس تماشا گاہ میں کس کیلیے

سجدۂ دیر و حرم سے معرفت کس کو نصیب — سنگ در آیا نظر خلقت نے ماتھے گھس لیے

۱۰۵۳ — ڈیڑھ سو محراب مسجد میں ذرا دشوار ہیں — سایۂ ہوٹل میں بسیے یا فقط دس لیجیے

حضرتِ اکبر سے کہہ دو قافلہ تیار ہے — اک رزولیوشن کا شو آپ بھی کس لیجیے

۱۰۵۴ — اب کیا میں طلب دنیا کی کروں کیوں زحمت اٹھاؤں اس کے لیے
دل کہتا ہے اور سچ کہتا ہے دن کے لیے اور کس کے لیے

ہو تم کو مبارک شوق نمود افسردہ پڑا رہنے دو مجھے
کافی ہے یہاں یہ داغِ جگر تم شمع بنو مجلس کے لیے

یہ گوش و زبان و چشم چمن غوغائے جہاں سے فارغ ہیں
کرتا ہوں دعائیں گل کے لیے سوسن کے لیے نرگس کے لیے

ناتم شام اودھ میں ہیں نواب مصروف ہوں — آپ ہی نظارۂ صبحِ بنارس کیجئے

۱۰۶۱ افواہ ہے کہ اکبر بیہوش ہوگیا ہے — یہ تو غلط ہے لیکن خاموش ہوگیا ہے

۱۰۶۲ فلسفہ اُنکا انھیں کی چال کا ہمدوش ہے — اُنہیں دولت خیز ہے اور ہم میں ہیں بے قش ہے

۱۰۶۳ بزمِ ہستی میں محبت کے ترانوں کو نہ چھوڑ — یہ وہ شئے ہے جیسے ہر ساز سے اک سازش ہے

۱۰۶۵ خود گوارا نہیں فریاد کا یہ جوش مجھے — کر بھی چلکتی اجل آ کر کہیں خاموش مجھے

عقل کچھ کر نہ سکی قدر شناسیٔ جنوں — بزمِ ہستی میں مبارک نہ ہوا ہوش مجھے

حالتِ قابلِ فریاد کے سب ہیں شاہد — اس سے کیا ہوتا ہے کر دیجئے خاموش مجھے

تابِ نظارۂ گلزار میں کیا لاؤں گا — رُت بدلنا ہی کیئے دیتا ہے بیہوش مجھے

بُت پرستی میں بھی پردے کا ہوں حامی اکبر — بخش ہی دیگا خداوند خطا پوش مجھے

۱۰۶۷ سجۂ صندل کا ہے مگر افسوس — دب گئی بو فرنچ پالش سے

۱۰۶۸ مقابل غیر مذہب کے تو مذہب جوش رکھتا ہے — عموماً ورنہ اپنے آپ کو بے ہوش رکھتا ہے

رہِ حق کے جو سالک ہیں وہ مستثنیٰ ہیں اے اکبر — کہ انکو ساقیِ توحید ساغر نوش رکھتا ہے

۱۰۶۹ دلِ سوزاں کو اک نعمت سمجھ یہ گرمجوشی ہے — امیدِ آخرت میں مست رہ یہ بادہ نوشی ہے

۱۰۸۲ ان بتوں کے باب میں اتنی ہی میری عرض ہے — کفر ہے ان کی پرستش پیار کرنا فرض ہے

۱۰۸۵ ابتو ہے یہ سوچ کیا ہیں کیا بساطِ زندگی — ہو چکا وہ دن کا وہ دورِ نشاطِ زندگی

دیکھیے انجام کیا ہو ڈر رہا ہوں دیکھکر — لذتِ دنیا سے اتنا اختلاطِ زندگی

۱۰۸۹ یہ بھی فانی وہ بھی فانی دونوں ہیں بے اعتبار — انقباضِ موت ہو یا انبساطِ زندگی

۱۰۸۹ یوں تو ہیں جتنے شگوفے سب تو فکر باغ ہے — یہ مگر سچ ہے کہ لالہ ہی کے دل میں داغ ہے

۱۰۹۲ خوبیوں میں قافیے ہیں مانا ردیف ہے — یہ نظم کا تماشا بھی کتنی لطیف ہے

۱۰۹۳
سخن میں یوں تو بہت موقع تکلف ہے — خودی خدا سے جھکے بس یہی تصوف ہے
کوئی عظیم نتیجہ ضرور ہے ملحوظ — نظامِ جسمِ بشر میں بڑا تکلف ہے
خدا کا شوق نہ ہو آخرت کا ذوق نہ ہو — اسی کا نام ہے دنیا تو لائق تف ہے
بیانِ تیغ کبھی سرخرو یہ ہو نہ سکی — عجب نہیں کہ اسی سے تفنگ پر تف ہے

۱۰۹۴
حسین جیسے ہو تم یونہی جو خوش اخلاق ہو جاتے — زمانہ مدح کرتا شہرۂ آفاق ہو جاتے
حواسِ اہلِ ہوش رخصت ہو چکے ہم بھی نکل جاتا — تو فطرت کے جو قرضے ہیں وہ سب بیباق ہو جاتے

۱۰۹۶
بمثل فائدہ ہمیں دل کے سبق سے ہے — خلوت میں انجمن کا مزا یادِ حق سے ہے

۱۰۹۷
خلق مجھ سے طالبِ پابندیٔ اخلاق ہے — میری یہ حالت کی مجھ پر ضبط بھی شاق ہے
دل کے ٹکڑے کر دیے غم نے جگر خوں ہو گیا — ہوش کا تو یہ ستم دیکھو کہ اب تک چاق ہے

۱۰۹۸
یار کا حسن سب پہ فائق ہے — واقعی دیکھنے کے لائق ہے
ان مصائب سے کام لے اکبر — غم بڑا مدرکِ حقائق ہے

۱۰۹۹
دوسروں پر نکتہ چینی کا تجھے کیوں شوق ہے — اپنی اپنی خو ہے اکبر اپنا اپنا ذوق ہے

۱۱۰۰
صوفیِ باصفا کا بھی اچھا مذاق ہے — اس فلسفے میں ہوش کا آنا فراق ہے
فقط شکر کو ہے تسکینِ نگاہِ چشمِ شرقی ہے — اندھیرا ہے گھر و لیکن اس کو نہیں لیمپ برقی ہے

۱۱۰۲
ہر کس و ناکس سے دنیا میں تملق کیجیے — یا جہاں تک ہو سکے ترکِ تعلق کیجیے

۱۱۰۴
عشق کے معنے کے عالم تھے مگر عاشق نہ تھے — صورتِ عذرا سے واقف تھے مگر وامق نہ تھے

۱۱۰۵
پھنسا ہوں زندگی میں سانس روکے رک نہیں سکتی — مگر دنیا کی خاطر میری گردن جھک نہیں سکتی

۱۱۰۶
تیری باتیں تو تحقیق کی سالک ہی نہیں — میں نہ مانوں گا کہ میرا کوئی مالک ہی نہیں
لطف جب تھا کہ حسنی اور بہشتی رہتے تھے — دھن جو تھا اب وہ نہیں ورنہ وہ سالک ہی نہ تھا

سلہ تا سخن کے ہونگے عاشقانہ [illegible]

۱۱۰۶

شکر ہی سنی و شیعہ کا ارادہ نیک ہے
طرزِ طاعت دو سہی ترکیبِ کالج ایک ہی

گھر میں گو یہ فرق ظاہر ہو کہ حلوا یا پلاؤ
خوانِ مغرب پر مگر دونوں کے آگے کیک ہی

۱۱۰۸

آنکھ مجبور نہیں بت کو اگر تکتی ہے
ہو حسد اپر جو نظر بند بھی ہو سکتی ہے

یہ لفظ تو ہیں برائے معنی مگر نہایت ہی سست و ناقص
زبان پیچھے ہی رہ گئی ہے نگاہ دل دور تک گئی ہے

۱۱۱۲

کافی اگرچہ لیٹنے کو اک پلنگ ہے
انگڑائیوں کو عرصۂ دنیا بھی تنگ ہے

۱۱۱۳

قومِ ضعیف تنگ ہے چندوں کی مانگ سے
کالج کے چھوٹے لپٹے ہیں ٹیڑھی کی ٹانگ سے

عالم میں جب جو مستند و باوقار ہیں
گو نچا ہوا پریس ہے وفائی کے سانگ سے

۱۱۱۴

یہ دنیا اپنے ساز میں اک وہ نغمۂ حق آہنگ نہ تھی
وہ کون زمانہ گذرا ہے جب حرص نہ تھی جب جنگ نہ تھی

ہاں نفس کے بندے لڑتے ہیں دولت کیلئے دنیا کیلئے
جو حق کی طرف سے مصلح ہیں ہیں تیغ بکف عقبیٰ کیلئے

واعظ کا جو ارشاد ہے وہ ریزنبل (معقول ہے) ہے
رندوں کی یہ مستی بھی مگر سیزنبل (موافق موسم) ہے

۱۱۱۷

گو سعی ہوئے شوق نے کی پر نہ نکلی محفل سے
مجنوں نے اڑائی خاک بہت لیلیٰ نہ نکلی محمل سے

دنیا کے تغیر کا نہیں حس شیدائے جمالِ یاری کو
پروانے کو مطلب شمع سے ہے کیا کام ہے اس کو محفل سے

احساس ہی پیدا کا نہ ہو فریاد و فغاں میں کیا کرتا
جس وقت یہ خنجر تھا گلا آنکھ اپنی ملی تھی قاتل سے

جلوہ گر ہے حسن جب قوتِ اضطرابِ دل کا ہے
المدد اے ذوقِ عرفاں سامنا مشکل کا ہے

تیرے مجنوں کے بیاباں کا ہے عالم دوسرا
جو بگولا ہے وہ اک ناقہ کسی محمل کا ہے

ذرہ ذرہ ہے طریقِ عشقِ حق میں دلنواز
ہر قدم پر سالکِ رہ کو گماں منزل کا ہے

بحرِ ہستی خود حدوں سے اپنی ہے ناآشنا
اک تلاطم ہے بپا کس کو پتا ساحل کا ہے

یہ نظر کی ناتوانی یہ بتوں کی زینتیں
کیا کہوں اکبر بس اب اللہ مالک دل کا ہے

۱۱۲۹

کیا شان ترے جمال میں ہے
ہر وقت زمانہ حال میں ہے

پھنستی ہے اگر تو صرف مچھلی — کہنے کو تو جل بھی جال ہیں ہر
ٹیٹو کی گذر ہے دال ہی پر — کالا اس طرح دال ہیں ہر

١١٢١ نہیں جب اپنی ملت کا اصول مستقل کوئی — کرے کیا رکھ کے سینے میں فاندیش دل کوئی

١١٢٢ ہم پر الزام کے دھبے جو ہیں دھل جائیں گے — حسبنا اللہ کے معنے کبھی کھل جائیں گے

١١٢٣ کیا تصور ہے کہ دل جسم سے دہل جاتا ہے — دم نکلتے ہی وہ قانون بدل جاتا ہے
وہی فطرت کہ جو تھی حفظ بدن پر مامور — اسی فطرت سے بدن خاک میں گل جاتا ہے

١١٢٤ قیوم و حی کا ہے تصور سبین روح — فانی کا شوق فتنۂ ہستی کا جال ہے

١١٢٥ مضموں ملا جو موج میں نقش بر آب کا — بیخود ہوئے حباب بھی ٹوپی اچھال کے
اے شمع با فروغ ہے راہ فنا میں تو — سالک بہت ہی کم ہیں تیری ہی چال ڈھال کے

١١٢٦ بزم ہستی ہے طلسم بے مثال زندگی — خاک ہے پروانہ شمع جمال زندگی
جسم بنکر جان سے لپٹی ہوئی آخر فنا — خاک تھی پروانہ شمع جمال زندگی
ہے یہی دستور لیکن کسقدر افسوسناک — زندگی ہی کو سمجھ لینا مآل زندگی
عشق حسن آخرت میں چاہیے مستی روح — موت سے آساں نہیں اکبر وصال زندگی
ہے دلیل نور باطن حب دنیا کا زوال — موت کا مشتاق ہونا ہی کمال زندگی
خوبی معنی کا ہے فطرت میں اکبر اعتبار — حسن صورت میں نہیں جاہ و جلال زندگی

١١٢٧ الحذر اس درد سے جو مشتعل ہو کر رہے — الاماں اس یاد سے جو زخم دل ہو کر رہے
بزم ہستی میں رہا اکبر تو کیا اس کی خوشی — حکم جب یہ ہے کہ بے حد مضمحل ہو کر رہے

١١٢٨ بجائے مرحبا و آفریں فریاد اٹھی دل سے — مجھے شرمندگی ہے قوت بازوئے قاتل سے
سکوت اولی ہے کیا حاصل بیان حالت دل سے — تعجب خیز باتیں ہیں یقیں آئیگا مشکل سے

جنوں پردہ درِ شائق رسوا کئے ہوں — عجب کیا ہے کہ لیلیٰ کو بھی وحشت ہو محمل سے
ضرورت کم ہے اب عشق میں تشہیر اپنے کی — بقدرِ شوق سالک خود کشش ہوتی ہے منزل سے
بصیرت کے قیامت کی ہے اس ... پہ — مصیبت میں پھنسا ہوں تیار خوفِ باطل سے
چھپا سکتا ہوں میں کیونکر زباں کو کہتا ہوں — جو ارمانِ اک نگہ کیا ہے کہ تو کافر نہیں دل سے
جنوں ہنگامہ ہے مدعا میں سنتا ہوں — مبارک سعی ہے اسکی کہ مستغنی ہے حاصل سے
بیانِ مدعا سے روک لیتا ہوں زباں اپنی — تمنا سے ہے مجبوری کہ وہ گستاخ ہے دل سے

—×—

۱۱۲۹
تدبیرِ بشر پیشِ قضا چل نہیں سکتی — میں دیکھ چکا ہوں شدنی ٹل نہیں سکتی
ارمان کوئی اب مرے دل میں نہیں آتا — ٹوٹی ہوئی جو شاخ ہے وہ پھل نہیں سکتی
مر جائیں مگر رکھیں گے ثابت قدم اپنا — ہے مرد میں جو دال کبھی گل نہیں سکتی

—×—

۱۱۳۰
لاکھ آرائش کرے کوئی مگر اے جانِ جہاں — جسکی زینت آپ ہیں رونق اسی محفل کی ہے

—×—

۱۱۳۱
کھیل جینے کا کھیل ہی لیں گے — جو گذرتی ہے جھیل ہی لیں گے

—×—

۱۱۳۲
معاذ اللہ کیا بیداد ہے یہ تقدیرِ بسمل ہے — تڑپنا سامنے قاتل کے گستاخی میں داخل ہے
وہی قانونِ فطرت ہے جسے تقدیر کہتے ہیں — جسے قسمت سمجھتے ہیں وہ تدبیروں کا حاصل ہے

—×—

۱۱۳۴
نفس میں الجھا ہے تو اک ابھی دل دور ہے — راہ کے یہ خوشنما منظر ہیں منزل دور ہے

—×—

۱۱۳۵
جہاں میں عقل کی حسرت نکل نہیں سکتی — خدائی ذہن کے سانچے میں ڈھل نہیں سکتی

جینے میں یہ غفلت فطرت نے کیوں طبعِ بشر میں داخل کی
مرنے کی مصیبت جانوں پر کیوں قدرتِ حق نے نازل کی
کیوں طولِ امل میں الجھایا انسان نے اپنے دامن کو
کیوں زلفِ ہوس کے پھندے میں پھنستی ہے طبیعت غافل کی

۲/۸ کیوں ہجر کے صدمے ہوتے ہیں کیوں مُردوں نہ مارے جاتے ہیں
کیوں جنگ میں جانیں جاتی ہیں کیوں بڑھتی ہے ہمت قاتل کی
منطق کا تو دعوی ایک طرف فلاسفہ کی یہ شوخی ایک طرف
کیا فرق ہے خیر و شر میں یہاں کیا جانچ ہے حق و باطل کی

۱۱۳۷ کہاں ثبات کا اس کو خیال ہوتا ہے — زمانہ ماضی ہی ہونے کو حال ہوتا ہے
فروغ بدر نہ باقی رہا نہ بت کا شباب — زوال ہی کے لیے ہر کمال ہوتا ہے
میں چاہتا ہوں کہ بس ایک ہی خیال رہے — مگر خیال سے پیدا خیال ہوتا ہے
بہت پسند ہے مجھکو خموشی و عزلت — دل اپنا ہوتا ہے اپنا خیال ہوتا ہے
وہ توڑتے ہیں تو کلیاں شگفتہ ہوتی ہیں — وہ روندتے ہیں تو سبزہ نہال ہوتا ہے
سوسائٹی سے الگ ہو تو زندگی دشوار — اگر ملو تو نتیجہ ملال ہوتا ہے
پسند چشم کا ہرگز کچھ اعتبار نہیں — بس اک کرشمۂ وہم و خیال ہوتا ہے
اگرچہ آہ سے تکلیف دل کو ہو لیکن — ہوائے نفس میں کچھ اعتدال ہوتا ہے
نگاہ لطف بتاں مطمئن نہیں کرتی — فریب ہی کا مجھے احتمال ہوتا ہے
خدا کا شوق ہے جسکو میں اسکا شائق ہوں — خدا کا یوں تو ہر اک کو خیال ہوتا ہے
اگرچہ ریش منڈانے سے ہے صفائی رخ — گناہ گار مگر بال بال ہوتا ہے

۱۱۳۸ خود بھی اظہار حسن کی ہے خوشی تو حد سے کیا تعلق — فراق بنا کسے گوارا جو کوئی اسکا وصال چاہے

۱۱۳۹ ابتدا گرمی کی ہے اپریل سے — اب میں گھبرانے لگا کھپریل سے
حضور سے سبب افسردگی کا کیا میں کہوں — نشاط طبع غلامی کے ساتھ مشکل ہے

۱۱۴۲ کہتا ہے راز عشق میرے آب و گل میں ہے — خاموش ہے زبان جو کچھ ہے وہ دل میں ہے

افعیِ زلف میں کا تو سودا ابھرا نہیں — پیچیدگی جو کچھ ہے فقط اسکے بل میں ہے

۱۱۴۳ صبر رہ جاتا ہے اور عشق کی چل جاتی ہے — ضبط کرتا ہوں مگر آہ نکل جاتی ہے

کچھ نتیجہ نہ سہی عشق کی امیدوں کا — دل تو بڑھتا ہی طبیعت تو بہل جاتی ہے

شمع کے بزم میں جلنے کا جو کچھ ہو انجام — مگر اس عزم سے سانچے میں تو ڈھل جاتی ہے

وعدۂ بوسۂ ابرو کا نہ کر غیر سے ذکر — دل لگی میں کبھی تلوار بھی چل جاتی ہے

۱۱۴۴ طبیعت تیری انجن کے آگے کیوں بدلتی ہے — یہ تیری سانس چلتی ہے تو کیا انجن چلتا ہے

کبھی سائنس کے ان دیوتاؤں سے ذرا پوچھو — یہ مشتِ خاک کیونکر جان کے سانچے میں ڈھلتی ہے

وہی بیج شجر تجربۂ موسم بھی ہے لیکن — کوئی ڈالی تو رہ جاتی ہے کوئی شاخ پھلتی ہے

نہ انجن و کل دولت کو نہ منطق کو نہ طاقت کو — دلی حالت خدا ہی کی عنایت سے سنبھلتی ہے

۱۱۴۴ الف اکبر شگفتگی سے بیگانہ ہو گیا ہے — پھر کیا اسے چمن کی کوئی ہوا کھلائے

دیں کا ادعا ہے خلق میں سہل — حق ہو راضی یہ بات مشکل ہے

آمنو میں تو سب آ گئے ہیں — عملو الصالحات مشکل ہے

چشم ظاہر جسے نہ دیکھ سکے — اس طرف التفات مشکل ہے

وصل ہو یا فراق ہو اکبر — جاگنا ساری رات مشکل ہے

۱۱۴۷ اسٹیشن فنا کی بھی کیا خوب ریل ہے — اس راہ میں ہر ایک پسنجر کا میل ہے

غفلت نے کر دیا جنہیں آزادۂ منش — میری نگاہ میں تو یہ دنیا ہی جیل ہے

۱۱۴۸ عیش دنیا میں بہت ہے کہ مصیبت ہے بہت — اس سے پوچھو جو کوئی پیر کہن سال ملے

۱۱۴۹ امید راحت اس دنیا میں تصور خیالی ہے — کہاں ہے جام عیش ایسا کہ جو تلخی سے خالی ہے

۱۱۵۱ کار دنیا میں بھی یاد مرگ غالب دل پہ ہے — راہ ہے زیر قدم لیکن نظر منزل پہ ہے

۱۱۵۲ غنچہ کھل جائے تو پھر زینت محفل نہ سہی — خود شگفتہ رہے گلدستے میں داخل نہ سہی
زاہد خشک کی صحبت سے میں گھبراتا ہوں — سوز دل جب نہیں پھر کچھ نہیں جاہل نہ سہی
چشم کم سے یہ بت اکبر کو جو دیکھیں دیکھیں — ہے وہ مقبول حرم دیر کے قابل نہ سہی

۱۱۵۳ دل وہ ہے جو باغ ایماں کی ہوا سے پھول جائے — آخرت کی یاد میں دنیا کو بالکل بھول جائے
یہ ارادے ہیں تو ذکر مکتب و مسجد فضول — کہہ دو لڑکے سے خریدے ریڈر اور اسکول جائے
پالسی کے باغ میں جھولے امیدوں کے بہت — جس کا جی چاہے وہ برسوں تک ان میں جھول جائے

---

۱۱۵ ذہن عالی اور ہے جمعیت دل اور ہے — علم منزل اور ہے اور قرب منزل اور ہے

۱۱۵۶ مصرعہ بہت بلیغ یہ انکی غزل میں ہے — شیخی تو مسئلوں میں ہے جنت عمل میں ہے

۱۱۵۸ بلا زینت بھی رنگیں دل کو راحت مل ہی جاتی ہے — کلی بے رنگ گلشن ہو تو وہ بھی کھل ہی جاتی ہے
بھروسا انتظام عافیت کا کیا ہے دنیا میں — کہ پھر طوفان آتا ہے کہ کشتی الٹ ہی جاتی ہے

۱۱۵۹ تازگی رنگ گل پژمردہ میں ممکن نہیں — کیا چلے باد صبا کی لطف شبنم کیا کرے
بلحوقیت پہ کیا میں نے جو اظہار ملال — شیخ نے ہنس کے کہا چپ رہو ہم کیا کریں
انکشاف راز ہستی عقل کی حد میں نہیں — فلسفی بیچارہ کیا کرے اور سارا عالم کیا کرے
کبر ظاہر حرص غالب ذکر حق دیوانگی — اس جگہ کوئی سر تسلیم کو خم کیا کرے
چاہتا ہوں صرف اک بوسہ دہان تنگ کا — خواہشیں اس سے زیادہ آپ کی ہم کیا کرے

۱۱۶۰ خیر کیا ہے عشق گیسو میں دل ناکام کی — دیکھتے ہو ہند میں حالت جو ہے اسلام کی
دیکھ کر تیری ادا اسی ہائے شمع سحر — محو دل سے ہو گئی رونق چراغ شام کی
واقعات دہر سے دل بستگی کم کیجئے — پھر شکایت کم رہے گی گردش ایام کی

۱۱۶۲ حضرت اکبر ہیں کس کام کے — ہیں تو مسلمان مگر نام کے

لے گئی ایمان تیری چشم مست ۔۔۔ اہل نظر رہ گئے دل تھام کے

خالق سے دل لگانا اسلام ہو تو یہ ہے ۔۔۔ ہر کام میں توکل بس کام ہے تو یہ ہے

۱۱۶۶ کرتا ہوں اللہ اللہ اور دل میں یوں سمجھتا ۔۔۔ کام آئے مرتے دم بھی وہ نام ہے تو یہ ہے

تکلیف صبر سہئے آرام ہے تو یہ ہے ۔۔۔ ناکردنی سے بچئے بس کام ہے تو یہ ہے

۱۱۶۷ [illegible] اسقدر گستاخ دل سے شدتِ غم ہو گئی ۔۔۔ آپ اپنے ساتھ ہمدردی مری کم ہو گئی

وہ طبیعت وہ امیدیں وہ مشاغل وہ نشاط ۔۔۔ اب کہاں وہ بات تھی اک بزم برہم ہو گئی

دل تو پہلے ہی سمجھتا تھا کہ کچھ سمجھا نہیں ۔۔۔ اب زباں بھی قائلِ واللہ اعلم ہو گئی

شاہدِ بزم ازل کے فیض کا کیا پوچھنا ۔۔۔ خاک نے اتنی ترقی کی کہ آدم ہو گئی

ہو مسلمانوں کو شاید اب بھی عقبیٰ کا خیال ۔۔۔ آخرت پر لیکن اب دنیا مقدم ہو گئی

۱۱۶۸ [illegible] خدا کہاں ہے جواب سکا ہر مقام میں ہے ۔۔۔ نہ سمجھے کوئی تو کہہ دو کہ اپنے نام میں ہے

بغیر موت و مصیبت کے چل نہیں سکتا ۔۔۔ عجیب راز یہ دنیا کے انتظام میں ہے

۱۱۶۹ آنکھ محروم سہی لب پہ ترا نام تو ہے ۔۔۔ تیری ہستی کا یقیں قاطع اوہام تو ہے

کبھی تھی سبز پری ہو کے سبھا سے خارج ۔۔۔ راجہ اندر نہ سہی جلوہ گلفام تو ہے

برہمن دل میں اگر رام سے کہتا ہو کہ آ ۔۔۔ بات یہ خوب ہے اک صورت آرام تو ہے

۱۱۷۰ ہمیں تو خاموشی میں اپنے دل سے کام لینا ہے ۔۔۔ زباں وہ بزم میں کھولیں جنھیں انعام لینا ہے

نہایت خوشنما کھولی ہیں راہیں آپ نے لیکن ۔۔۔ وہ رکھیں پاؤں جنکو اپنے سر الزام لینا ہے

۱۱۷۱ سنورتے تھے کہ اک عالم کی آنکھیں ہم پہ دیکھینگی ۔۔۔ خبر کیا تھی ہماری مجلس ماتم کو دیکھیں گی

۱۱۷۲ عالم معنی میں ہے اتنا ہی ہم میں زور ہے ۔۔۔ ہاتھ میں رعشہ ہے اب لیکن قلم میں زور ہے

۱۱۷۳ سچی خوشی جہاں میں ہو بھی اگر تو کم ہے ۔۔۔ بس غفلتیں ہیں طاری اور یہ نہیں تو غم ہے

۱۱۷۵ میرا مسلک کچھ جدا ہی شیخ کے اسلام سے — یاں خدا سے کام ہے اسکو خدا کے نام سے
یاں نگاہِ خاص سے ہوتا ہے دل کو انبساط — اسکو راحت ملتی ہے فطرت کے فیضِ عام سے
عشوۂ ساقی کا یاں طالب ہوں میں بہرِ سرور — اخذ کر لیتا ہے وہ مستی کو دورِ جام سے
ہے کفیلِ کار میرا یاں جنونِ صلح خیز — واسطہ رہتا ہے اسکو عقلِ جنگ انجام سے
مست رکھتے ہیں اسے جھونکے ہوائے باغ کے — کام ایلی سے نہ اکبر کو نہ مطلب آم سے

۱۱۷۶ اگرچہ تکلیفِ نزع میں ہوں سکونِ خاطر بھی کم نہیں ہے — کسی سے ملنے کی ہیں امیدیں کسی سے چھٹنے کا غم نہیں ہے

۱۱۷۷ چشم و دل میں عکسِ دنیا کا ہجومِ عام ہے — مشتبہ ہنگامۂ ادراک کا انجام ہے
چشمِ ابراہیم در وہ بر انجم و شمس و قمر — اسکو کہتے ہیں نظر اور عقل کا یہ کام ہے

۱۱۷۸ اپنے ساتھی اٹھ گئے اس بزمِ غم انجام سے — دل کو شرم آنے لگی اب خواہشِ آرام سے

۱۱۷۹ کہاں دلوں سے شریعت کا کام چلتا ہے — فقط زباں سے بزرگوں کا نام چلتا ہے
ہوئی طریقِ بزرگاں کی پیروی مفقود — بسر انکے نام پہ بس صبح و شام چلتا ہے

۱۱۸۰ فلسفہ غم کا جسے معلوم ہے — ہو مبارک اسکو وہ اکبر مغموم ہے
کر دیا اسکو بصیرت نے خموش — اب تو اکبر کی نظر کی دھوم ہے

۱۱۸۲ مستلزم ہے عمل کرنے سے غافل نفس آدم ہے — جدھر دیکھو وہی بحثیں ہیں جنبشِ لا نسلّم ہے

۱۱۸۳ گھٹایا شیخ کو اس شوخ کے شیریں تکلم نے — مٹایا زہد کی خشکی کو اک موجِ تبسم نے

۱۱۸۴ تصوف ہی نے باکے دل میں حق کا نام لایا ہے — یہی مسلک ہے جسمیں فلسفہ اسلام لایا ہے

۱۱۸۵ شہرت اکبر کا ان دنوں بڑا ہی نام ہے — پولو پوئی پہ حدی خوانی انہیں کا کام ہے

۱۱۸۶ نہ مدح سے نہ آرائشِ کلام سے ہے — مری زبان کی عزت خدا کے نام سے ہے
یہ معذرت تو ملاقاتیوں سے آپ کریں — مجھے تو کام فقط آپ کے سلام سے ہے

۱۱۸۶ — کیا پوچھتے ہو دل کو مرے کیا مقام ہے — فطرت کے کارخانے میں غم کا گدام ہے

۱۱۸۸ — باغباں ہی سے یہ طالب ہیں ہوا سے غافل — پختگی کی نہیں امید کچھ ان خاموں سے

۱۱۸۹ — الم ضعیف ہو لذت اگر عدم ہو جائے — خوشی کو منھ نہ لگاؤ تو غم بھی کم ہو جائے

۱۱۹۰ — کیوں یہ کدھے ہو ہر اک میں وہ اثر جو ہم میں ہے — تم کو کیا معلوم اکبر کون کس عالم میں ہے

۱۱۹۲ — ہمیں چھلکیں ہمیں ابھریں عیش پیے ہو اس غم کے — کرو حمد خدا مجھ کو خندا احمد کا تو ہم چھلکے
ہیں مست بادۂ عشرت ہو ہوں اس تصور سے — کہ وہ ذرے بھی لب اک جا نہیں ہیں ساغر جم کے

ساری دنیا آپ کی حامی سہی — ہر قدم پر مجھ کو ناکامی سہی
نیک نام اسلام میں رکھے خدا — کفر کے حلقے میں بدنامی سہی

۱۱۹۴ — چھوٹے ہی دنیا میں جو تنے ہیں زیادہ کم بڑے — سب بگڑ لٹتے ہیں ہیں پر ہم بڑے با ہم بڑے

۱۱۹۶ — صدیوں فلاسفی کی چناں و چنیں رہی — لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی
زور آزمائیاں ہوئیں سائنس کی بھی خوب — طاقت بڑھی کسی کی کسی [illegible] نہیں رہی
دنیا کبھی نہ صلح پہ مائل ہوئی مگر — باہم ہمیشہ برسر پیکار و کیں رہی
پایا اگر فروغ تو صرف ان نفوس نے — جن کی کہ خضر راہ فقط شمع دیں رہی
اللہ ہی کی یاد بہر حال خلق میں — وجہ سکون خاطر اندوہگیں رہی

۱۱۹۸ — جسنے دل کو لے لیا ہو دل لگی کے واسطے — کیا تعجب ہے کہ تفریحاً ہماری جان لے

۱۲۰۰ — وہی الم وہی سوز جگر فغاں بھی وہی — وہی زمیں کا چلن دور آسماں بھی وہی
بھرا ہوا ہے مضامین غم سے مکتب دہر — فلک کا کورس وہی میرا امتحاں بھی وہی
ہیں صاف گو وہ ستمگر خدا ہی خیر کرے — مری زباں بھی وہی اور وہ بدگماں بھی وہی
نہ اسنے میری صفائی نہ اسنے میرا بگاڑ — کدورتیں بھی وہی اور چشمک نہاں بھی وہی

حرم نظر میں ہی قسمت ہے دیر سے انکی
خدا کا گھر بھی وہی بت کی شوخیاں بھی وہی

مذاق بزم احبا جو کچھ ہوئے اکبر
مری زبان بھی وہی اور مرا بیان بھی وہی

۱۲۰۲

ہے منع ملاقات مری ہم نفسوں سے
فریاد کا موقع نہیں فریاد رسوں سے

تعداد وہی انگلیوں کی گو ہے بدستور
بیکار گئی ساعد و بازو ہوسوں سے

ہے حکم کہ حس پالیسیوں کے ہو مطابق
اب کام بدن کو نہ رگوں سے نہ نسوں سے

چوری نہ کبھی کی ہے نہ کرنے کا ارادہ
پھر بھی یہ ضرورت ہے کہ بھاگوں عسسوں سے

۱۲۰۶

خموش شمع صفت کیوں نہ ہو زباں میری
کہ خود ہی بزم میں روشن ہے داستاں میری

اگرچہ عقل سے کرتا ہوں میں حفاظت جاں
مگر نہ عقل مرے بس کی ہے نہ جاں میری

۱۲۰۷

اگرچہ قدرت ہے بولنے کی مگر فسردہ دل حزیں ہے
عجیب حالت ہوئی ہے پیدا زبان باقی ہے منہ نہیں ہے

جہان فانی کی ان نئی قوتیں تمہارے ہی فلسفے میں ہوں گی
مرا عقیدہ تو یہ نہیں ہے کہ جو خدائی ہے بس یہیں ہے

نہیں ہے قومی چمن میں قائم جہاں ضرور ہیں بات شگفتہ
دل اب تو کملے کا پھول ہے اب کبھی کہیں ہے کبھی کہیں ہے

بہت نہ رونے سے یہ نہ سمجھو کہ کم ہے جوش سرشک دل میں
یہ آنسوؤں کی کمی نہیں ہے رعایت خاطر آستیں ہے

۱۲۰۸

مبارک انکو جو حالات طبقات زمیں سمجھے
پہنچ وہ بھی گئے زیر زمیں جو کچھ نہیں سمجھے

۱۲۰۹

بزم طرب میں بھی جو حزیں تھے حزیں رہے
دل اس کا اسکے ساتھ ہے کوئی کہیں رہے

رکھیں نہ ہم سے دوست امید نشاط طبع
گو انجمن وہی ہے ہم اب وہ نہیں رہے

پیدا زیادہ سب سے دلیلیں ہمیں نے کیں
اور شبہے میں بھی سب سے زیادہ ہمیں رہے

کرتے تمام عمر چناں اور چنیں رہے
آخر میں کی نظر تو جہاں تھے وہیں رہے

۱۲۱۰

یہ سانس نہیں ہے سینے میں اک پھانس بشر کی جان میں ہے
درد اس کا مگر محسوس نہیں غفلت کا خمیر انساں میں ہے

دنیا کی امید اور اُس کے ہزنے دنیا کی چمک دُنیا کی صدا
کب ہمکو سمجھنے دیتی ہے کس درجہ کمی ایمان میں ہے

جو صبر کے معنی سمجھے ہیں ہے موت وصال اُنکے حق میں
لیکن یہ سمجھ ہر اک کی نہیں یہ بات فقط عرفان میں ہے

۱۲۱۱
فروغِ دل اب نہیں ہے باقی وہ سوز و ساز آہیں اب کہاں ہے
یہ آہ و فریاد ہے جو لب پر بجھی ہوئی شمع کا دھواں ہے

دلِ شکستہ میں ایمان رہ سکے تو ہے — اُجاڑ گھر میں یہ مہمان رہ سکے تو ہے
دلِ ضعیف کو چارہ نہیں ہے کفر سے اب — اگر زبان مسلمان رہ سکے تو ہے

۱۲۱۴
ہمہ تن درد کا مضمون ہوا جاتا ہے — حالت ایسی ہے کہ دل خون ہوا جاتا ہے
اتفاق امر مصیبت کو میں سمجھا تھا مگر — اب وہ میرے لیئے قانون ہوا جاتا ہے

۱۲۱۶
رگِ جاں پر ہی جب مضرابِ ہجراں ہے کیا ہوگی — جہاں یہ سوز ہے اس ساز سے تسکین کیا ہوگی
کہاں و کس طرف قائم کرینگے یادگار انکی — دمِ آخر یہ ذکر اُنسے کروں یاسین کیا ہوگی
بتانِ دیر میں پرستش مری ہو یا نہو اکبر — جو ہو۔ اعزاز کیا ہوگا۔ نہ ہو توہین کیا ہوگی

۱۲۱۸
رندی میں ذرا خوف بتوں کا نہ کریں گے — ڈرنا کبھی ہوگا تو خدا ہی سے ڈرینگے
اس حسن کے عاشق کو فنا ہو نہیں سکتی — جو آپ پہ مرتے ہیں وہ ہرگز نہ مریں گے

۱۲۱۹
جائے تیری ہی محبت میں مجھے وہ جان دے — عیش و کلفت میں رہے محفوظ وہ ایمان دے
منتشر رہتا ہے کدورات دنیا سے بہت — اس دلِ مضطر کو یا اللہ اطمینان دے

۱۲۲۰
خوب ہے مرگ و فنا سے جو مٹے میری خودی — اور اُسے واصلِ حق پرتو عرفان کر دے
گل کو کیوں اسکا الم ہوگا کہ وہ گل نہ رہا — ارتقا اسکو اگر عطر تنِ جاناں کر دے

تمہارے مذہبی دعوے جو کچھ ہوں میں یہ دیکھوں گا
عقیدوں کا اثر فکرِ معیشت پر کہاں تک ہے

بس اپنے دل کی قیمت عرض کر دیں گے بالآخر
مگر ارشاد تو ہو آپ کی نیت کہاں تک ہے

خدا ہی کی ہدایت کرتی ہے نورِ یقیں پیدا
دلیلوں کی رسائی تو فقط وہم و گماں تک ہے

کہو ملت کے لیڈر سے وہ مذہب سے نہ ہو غافل
کہ قومی زندگی کچھ ہے تو بس اس نیم جاں تک ہے

ترقی خواہ دل کو آہ سوزاں چاہیے اکبر
یہی شعلہ وہ ہے جس کی بلندی آسماں تک ہے

جنوں کا ادعا حدِ تکلف میں نہ کر اکبر
گریباں چاک ہے تیرا مگر دیکھوں کہاں تک ہے

۱۲۴۰

معنی کی گرہ کہاں کھلی ہے
الفاظ ہی کی دکاں کھلی ہے

ہر واہ کی تہ میں ہے نہاں آہ
دم بند ہے اور زباں کھلی ہے

۱۲۴۱

نظر شمارِ نقوشِ ظاہر ہے ہوشِ دنیا کا پاسباں ہے
جو یہ نگاہیں ہیں یہ دل ہے تو آخرت کا پتا کہاں ہے

۱۲۴۳

اس بزم میں کیا آثار ملے ہنگامِ سحر سامانوں کے
اک داغ تھا شمعِ مردہ کا کچھ ریزے تھے پڑے پیمانوں کے

ہستی کی یہ پیہم دامِ نظر دم بھر میں نشاں کا نکلا نہ اثر
گردابِ فنا میں غرق ہیں سب دریا ہیں رواں افسانوں کے

دل لذتِ نفس کا گرویدہ دنیا کی حقیقت پوشیدہ
اٹھتے ہیں فریبِ امید تلے طوفاں ہیں بپا ارمانوں کے

ہر گام پہ ہیں فتحوں کے نشاں سمتِ سفر ہے اک عبرت کا سماں
اجڑا ہے محل آبادی کا آباد ہیں گھر ویرانوں کے

دولت میں جو ہے شرطِ عصیاں بہتر ہے کہ فاقہ کشاں ہوں
غالب جو نہ ہوں شیطانوں پہ تو تابع تو نہ ہوں شیطانوں کے

یہ مدعیِ اسلام تو سب ساتھی ہیں مگر بیگانوں کے
تقوی کی وہ بو ہی نہیں نہیں وہ رنگ نہیں ایمانوں کے

تھی عقل نہ بات اے اکبر اور عشق پہ بھی ہے نظر
ممتاز رہے ہشیاروں میں شامل بھی رہے دیوانوں کے

۱۲۴۴

یوسف کو نہ سمجھے کہ حسیں بھی ہے جواں بھی
شاید نرے لیڈر تھے زلیخا کے میاں بھی

۱۲۴۵

ہمارا دل ہے ہمارے ولولوں کے لیے
زمانہ کہتا ہے یہ سب ہیں [illegible] کے لیے

ہنسنا بھی یہاں ہے رونا بھی دلکش بھی ہے دنیا فانی بھی

جینا بھی ہے اور آبادی بھی مرنا بھی ہے اور ویرانی بھی
اللہ ہی ہے ان لڑکیوں کا فرفر بھی نہیں حد میں بھی رہیں
ہے کورس بھی ان کا اسکیمی اور پاس شدہ آسانی بھی

۱۲۴۷ جو انقلاب گذشتہ ہو اک کہانی ہو — جو انقلاب کہ درپیش ہے وہ فانی ہے
الجھ کے دامِ حوادث میں آخرت کو نہ بھول — جو خوش نصیب ہے اُس نے یہ بات مانی ہے

۱۲۴۸ ہادی بھی کبھی پیر بھی ہو ہاں اسکے پیچھے تان سکو — تم نے ہمیں پہچان لیا ہم اُسکو نہیں پہچان سکے

۱۲۵۱ کرے گا قدر جو دنیا میں اپنے آنے کی — اُسی کی جاں کو لذت ملے گی جانے کی
نہ پوچھو بیٹھا ہوں کیوں تھامے ہوئے جگر — اُٹھونگا نبض ذرا دیکھ لوں زمانے کی
مزا بھی آتا ہے دنیا سے دل لگانے میں — سزا بھی ملتی ہے دنیا سے دل لگانے کی
گہر جو دل میں نہاں ہیں اُنہی کے ہو طالب — اُسی کے پاس ہے مفتاح اس خزانے کی
یہ شرط ہے کہ کرو اتباعِ حکمِ رقیب — غضب یہ ہے کہ ضرورت ہے دل لگانے کی
خیالِ وسعتِ تحقیق تا بکجا اکبر — کہ ہر نگاہ ہے محتاج اک فسانے کی

۱۲۵۲ تم ایک رہ نہ سکے تو خوشی سے پون بنے — یہاں تو کچھ نہ بنے بیوقوف کون بنے

۱۲۵۳ ایسا جو ہو تو شاید یہ دل ہے ٹھکانے — دنیا کو میں نہ جانوں دنیا مجھے نہ جانے

۱۲۵۴ دیکھے ہی ہیں گئے نتیجہ کفر کا یہ خام طبع — تیری رونق اک دن ایمان ہو ہی جائیگی

۱۲۵۸ کھانے سے اگر جینا ہو تو مرتے نہ کبھی کھانے والے — کھانا بھی خدا کے حکم سے ہے جینا بھی خدا کے حکم سے ہے
ایمان الفت کہتا ہوں دین کو دشمن جانتا ہوں — الفت بھی خدا کے حکم سے ہے کینا بھی خدا کے حکم سے ہے
رہتا ہوں مجلس سے علیحدہ زاہد شیشہ دل ہے زیر بغل — مستی بھی خدا کے حکم سے ہے مینا بھی خدا کے حکم سے ہے

۱۲۵۹ ہر چند با اثر ہے نہ ... باغباں بھی — لیکن بہار بھی ہے اک چیز اور خزاں بھی

دوران سر کی اپنے ہیں کیا گردش کی شکایت — گردش میں ہے زمیں بھی چکر میں آسماں بھی

تمناؤں کی حالت کچھ نہ پوچھو دل کے بجھنے پر — اندھیرے میں نہیں معلوم پروانوں پہ کیا گذری ۱۲۶۰

صدی ہے چودھویں تو انقلابوں کی نہیں کچھ حد — خدا ہی کو ہے علم اسکا مسلمانوں پہ کیا گذری

مجھ کو بھلا سکے آپ غلط ہیں کو دیکھئے — ہمکا زمانہ اب نہ رہا ہیں کو دیکھئے ۱۲۶۱

عیش فردا کی امیدیں ایسی ہیں — طفل طبعوں کو بہلانے کے لئے ۱۲۶۲

جان اُڑی جاتی ہے جس سے وہی دل خون ہے — نزع طاری ہوش حاضر یہ عجب مضمون ہے ۱۲۶۳

عبادت ترک ہے اور ہر طرف تعمیریں ہیں قوم کے — تماشے مشرقی تھے لو نہیں ہیں مغربی جادو کے ۱۲۶۸

چل بسے اسباب غفلت چشم عبرت وہ چکی — پھر ہنسی تھی ہی کیا اور تھی جو کچھ وہ ہو چکی ۱۲۶۹

خواب آور ہو نہیں سکتا بیانِ عاشقاں — ہے اگر افسانہ گو مجنوں تو لیلیٰ سو چکی

خوانِ الوانِ فلک سے کم کر اکبر اب امید — صبر کر نانِ جویں پر تیری باری ہو چکی

شگفتہ کس قدر بیلا ہے کتنی مست جوہی ہے — ترا ہی رنگ ہے گلشن میں خوشبو تو بھی ہے ۱۲۷۰

خدا کے شوق کا جنپر اثر ہے دیدنی وہ ہیں — خدا کے نام کی ہم میں تو خالی گفتگو ہی ہے

دل اپنا دوست ہو کر جیب کھاتا ہے غلط رہیں — تو آنکھ آنکھ کو میں کیا کہوں وہ تو عدو ہی ہے

اکبر تم اگر شرکِ خفی پر بھی ہنسو گے — سب تم سے الگ ہونگے مصیبت میں پھنسو گے ۱۲۷۱

جو اس غرقِ حیرت کو مجالِ گفتگو کیا ہے — بس کہنا ہو تو خاموش ہوں ہی کہنا ہے تو کیا ہے ۱۲۷۲

کوئی ہنس رہا ہے کوئی رو رہا ہے — کوئی پا رہا ہے کوئی کھو رہا ہے

کوئی تاک میں ہے کسی کو ہے غفلت — کوئی جاگتا ہے کوئی سو رہا ہے

کہیں نا امیدی نے بجلی گرائی — کوئی بیج امید کے بو رہا ہے

اسی سوچ میں میں تو رہتا ہوں اکبر — یہ کیا ہو رہا ہے یہ کیوں ہو رہا ہے

۱۲۷۴ دل تو ہی پاس مرے عقل پہ قابو نہ سہی — شہرتِ قیسِ تبع حاصل ہے ارسطو نہ سہی

۱۲۷۵ اللہ کی تلاش جو ہو کھو بھی جایئے — جو کہہ رہے ہیں آپ یہی ہو بھی جایئے
بیداری حواس ہے ظلمت کدے میں بار — افسانہ سن لیا ہے تو اب سو بھی جایئے

۱۲۷۶ اے چرخ مجھے دیر سے اکراہ کہاں ہے — لیکن ہے تب خود بیں کی طرف راہ کہاں ہے
اسلام کے دعوے سے میں باز آتا ہوں صاحب — یہ کون بتائے تمھیں اللہ کہاں ہے
سرِ سبب میں ہے آحل نہیں سچ قوم کا خادم — چندوں کی فقط آس ہے تنخواہ کہاں ہے

۱۲۷۷ فسانے رہ گئے وہ ہیں فنا تھا جاہ باقی ہے — وہی دنیائے فانی ہے وہی اللہ باقی ہے
مجھے دشوار ہے ان غافلوں کا ہم نوا ہونا — مرے سینے میں جبتک یہ دلِ آگاہ باقی ہے

۱۲۷۸ وہ قبلہ رو ہیں جنھیں رو براہ ہونا ہے — بھاگ گئے ہیں وہ جن کو تباہ ہونا ہے
جو آج ساکت و خائف ہیں ساتھ طاعت کے — انھیں کو حشر میں سب پہ گواہ ہونا ہے

۱۲۷۹ خرد نے ذہن کی حالت تباہ پائی ہے — خدا کے نام میں دل نے پناہ پائی ہے
رہا نہ ہوش میں تقویٰ جدھر اٹھیں آنکھیں — بتِ حسیں نے غضب کی نگاہ پائی ہے
یہ عشق ہی ہے کہ منزل ہے جس کی الا اللہ — خرد نے صرف رہ لا الٰہ پائی ہے

۱۲۸۰ وعظ اچھا دکھو واہ نہیں ہے نہ سہی — تم سلامت رہو اللہ نہیں ہے نہ سہی
شبِ غفلت میں نہ ہو روزِ ازل کا پرتو — لمپ بجلی کا تو ہے ماہ نہیں ہے نہ سہی
ہے گدام آپ کا مسجد کی ضرورت کیا ہے — پیٹ تو ہے دلِ آگاہ نہیں ہے نہ سہی
ہے پرس اپنے قلم کیلئے موجود لے دوست — سر کو سجدے سے اگر واہ نہیں ہے نہ سہی

۱۲۸۱ جسکے سینے میں دلِ آگاہ ہے — اس کے لب پر اللہ ہی اللہ ہے
منزلِ قومی سے آتی ہے صدا — جو نہیں ہے قبلہ رو گمراہ ہے

سارے دنیا کو جو چھوڑے بہرِ حق
ساری دنیا میں اسی کی واہ ہے

لا الٰہ آسان ہے سائنس میں
فلسفے میں مشکل الا اللہ ہے

قبر پر کر اک تعمق کی نظر
بحرِ ہستی کی نہیں پر تھاہ ہے

دورِ قرآن و تجارت ہو چکا
اب زمینداری ہے یا تنخواہ ہے

۱۲۸۲
حامدہ چمکی نہ تھی انگلش سے جب بیگانہ تھی
اب ہے شمعِ انجمن پہلے چراغِ خانہ تھی

۱۲۸۳
قدمِ شوق بڑھے راہ ملے یا نہ ملے
ماسوا ترک کر اللہ ملے یا نہ ملے

۱۲۸۴
جلائے جب شعلۂ تحیر تو ذہن ڈھونڈے پناہ کس کی
یہ کس کے معنی ہوئے ہیں ثابت یہ صورتیں ہیں گواہ کس کی

یہ چشمِ لیلیٰ کہاں سے آئی یہ قلبِ مجنوں کہاں سے ابھرا
جو باخبر ہیں انہیں خبر ہے نگاہ کس کی ہے آہ کس کی

جمالِ فطرت کی لاکھ پرتو قبول پرتو کی لاکھ شکلیں
طریقِ عرفاں میں کیا بتاؤں کہ راہ کس کی ہے راہ کس کی

یہ کس کے عشوؤں کا سامنا ہے کہ لذتِ ہوش ہو گئی گم
خودی سے کچھ ہو چلا ہوں غافل چھپی ہے مجھ پر نگاہ کس کی

۱۲۸۸
قدم رکھتا ہے وہ اٹھیں جیسے چوراہ ملتی ہے
صداقت ہو تو ہر شو داد خاطر خواہ ملتی ہے

۱۲۸۹
اب زباں ساکت ہے خوفِ سامعِ بدخواہ سے
دل یہ کہتا ہے ملے گی چپ کی داد اللہ سے

۱۲۹۰
اب کہاں وہ راحتِ دلخواہ اٹھتے بیٹھتے
کر لیا کرتے ہیں یا اللہ اٹھتے بیٹھتے

ابتدا میں غفلتوں پر واہ ہے
انتہا میں اللہ ہی اللہ ہے

۱۲۹۴
محوِ کار اس بزم میں ہر شمع ہر پروانہ ہے
حسرت اسیر ہے جو صرفِ قصہ و افسانہ ہے

۱۲۹۶
ہیں مست اس مزے میں جو ہم نے چکھ لیا ہے
صراف کی نظر نے ہم کو پرکھ لیا ہے

اغیار کے عمل کو ہوں گے کچھ اور میداں
ہم کو تو اب فلک نے کالج پہ رکھ لیا ہے

۱۲۹۸
دل میں تو ضعفِ عقیدت کو کبھی راہ نہ دے
کوئی کچھ دے نہیں سکتا اگر اللہ نہ دے

۱۲۹۹
شاعر جو لازم ہوا اکبر ذوقافیتین اسکا ہے لقب
پوچھئے یہ کیوں۔ تو صنعت سنو تنخواہ بھی ہے اور وہ بھی ہے

۱۳۰۱
میں تو کہتا ہوں کہ یارو اللہ ہی اللہ ہے — منکروں کو اس صدا سے صدمۂ جانکاہ ہے
وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم بھی تو ہیں اللہ کے سوا — ماسوا کی فکر سے پھر کیوں تجھے اکراہ ہے
بات ٹالی میں نے یہ کہکر کہ وقتِ احتیاج — میرا مسلک بھی وہی ہے جو تمھاری راہ ہے

۱۳۰۲
نہیں وقوعِ حوادث میں کچھ یہاں غلطی — یہ بات یونہی ہے جو تیرے دل میں آئے کہہ لے
ہزار بار جو وقتِ گذشتہ پھر آئے — ہزار بار وہی ہو جو ہو چکا پہلے

۱۳۰۳
خدا کی یاد ہے طاقت ہماری — مصلّٰی ہے ہمارا تختِ شاہی
ہماری فوج ہے اخلاقِ حسنہ — ہمارا حصن ہے ترکِ مناہی
بلند اپنی نظر ہے فضلِ حق سے — کرینگی کیا کسی کی کم نگاہی

۱۳۰۴
اسکا پسیجنا ہے اور آسکے ہیں بھاپ سے — یورپ نے ایشیا کو انجن پہ رکھ لیا ہے
اس خوانِ مغربی سے بچتا ہے کون لیکن — حضرت نکل رہے ہیں بندے نے چکھ لیا ہے

۱۳۰۵
ہے ہوائے چمنِ دہر انھیں کے رخ پر — انکے کھلنے کے یہ دن ہیں یہ مرجھانے کے

۱۳۰۶
آپکے عارض کے آگے کیا جمے گا اسکا رنگ — گل جو گلشن میں سنورتا ہے سنورنے دیجئے
ہو چکا بسمل کہاں تک آفریں ہر وار پر — واہ کی طاقت نہیں اب مجھکو مرنے دیجئے

۱۳۰۷
جی رہا ہوں میں فقط اب انتظارِ مرگ میں — سانس لینا رہگیا ہے جان دینے کے لیئے

۱۳۰۸
عبث اظہارِ خودی میں ہے یہ مستی میری — وقت کے ساتھ اڑی جاتی ہے ہستی میری
خس و خاشاک بھی ہو جاتے ہیں شعلے سے بلند — سوزِ باطن کے نہ ہونے سے ہے پستی میری

۱۳۰۹
حریفوں کے لیئے ہنگامۂ مشقِ قوافی ہے — یہاں انشائے دل کو آہ کا مصرع بھی کافی ہے
کہا جب میں ہوں بیمار تیری چشمِ فتاں کا — بتِ طنّاز نے ہنسکر کہا اللہ شافی ہے

۱۳۱۱
ان آنکھوں نے بہت نیرنگیاں فطرت کی دیکھی ہیں — مرے دل نے بہاریں عالمِ حیرت کی دیکھی ہیں

۱۳۱۴
خود ناتوان مضطر اوروں کے رنگ پھیکے
سر رکھیں کیا کسی کو کیا ہو ہیں کسی کے

غم و شادی کی نیرنگی دلیلِ خود پرستی ہے
وہی دل خوب ہے جسکو فقط ہستی کی مستی ہے

وجد میں آئے حیرتوں میں رہے
عجز کے ساتھ لب کشائی کی

بندگی کا صلا ملے نہ ملے
داد دیدی مگر خدائی کی

۱۳۱۶
ہر قدم کہتا ہے تو آیا ہے جانے کے لیئے
منزلِ ہستی نہیں ہے دل لگانے کے لیئے

کیا مجھے خوش آئے یہ حیرت سرائے بے ثبات
ہوش اُڑنے کیلئے ہے جان جانے کے لیئے

دل نے دیکھا ہے بساطِ قوتِ ادراک کو
کیا بڑھے اس بزم میں آنکھیں اُٹھانے کے لیئے

خوب اُمیدیں بندھیں لیکن ہوئیں حرماں نصیب
بدلیاں اُٹھیں مگر بجلی گرانے کے لیئے

سانس کی ترکیب پر مٹی کو پیار آ ہی گیا
خود ہوئی قید اسکو سینے سے لگانے کے لیئے

جب کہا میں نے بھلا دو غیر کو ہنسکر کہا
یاد پھر مجھکو دلانا بھول جانے کے لیئے

دیدہ بازی وہ کہاں آنکھیں رہا کرتی ہیں بند
جان ہی باقی نہیں اب دل لگانے کے لیئے

مجھکو خوش آئی ہے مستی شیخ جی کو فربہی
میں ہوں پینے کیلئے اور وہ ہیں کھانے کے لیئے

اللہ اللہ کے سوا آخر رہا کچھ بھی نہ یاد
جو کیا تھا یاد سب تھا بھول جانے کے لیئے

شعر کہاں کے ساز کیسا کیسی بزم سامعیں
جوشِ دل کافی ہے اکبر تان اُڑانے کے لیئے

انتساب ایسے کمالوں کا شکم سے چاہیئے
جن کو تم حاصل کرو روٹی کمانے کے لیئے

۱۳۱۸
ٹپکتے ہیں وہ مضمونِ جنوں زا میرے خامے سے
کہ اکثر ہوش ہو جاتا ہے باہر اپنے جامے سے

۱۳۱۹
نہ تعلق ہے کسی سے نہ شناسائی ہے
انجمن میں ہوں مگر عالمِ تنہائی ہے

حسنِ بت یہ ہے تو اب یادِ خدا کی نہیں خیر
یہ ادا ہے تو نمازوں کی قضا آئی ہے

محوِ حیرت وہ ہے اسیرِ خموشی کی بہار
آنکھ نرگس کی ہے سوسن نے زباں پائی ہے

دنیا اُبھارتی ہے آج اپنے عاشقوں کو | مر جائینگے تو انکا کل نام بھی نہ لے گی
دنیا کی آرزو سے خالق بچائے دل کو | پیدا ہوئی تو پی کر خونِ جگر پلے گی
عبرت زدہ جو دل ہو ارمان اسمیں کیسے | بجلی گری ہو جسپر وہ شاخ کیا پھلے گی
جنت بنا سکے گا ہرگز کوئی نہ اُس کو | دنیا یونہی چلی ہے اکبر یونہی چلے گی

۱۳۲۸
بس عشق و وفا ہی کی مرے دل میں ٹھنی ہے | ناصح کی میں سنتا نہیں ہو جو شدنی ہے
پیرو نے میاں ہمکو بنا رکھا ہے اب تک | بگڑی ہوئی حالت ہے مگر بات بنی ہے

۱۳۲۹
ہے زندگی اُسی کی مخبرِ جہانِ فانی | جسنے فنا کو سمجھا مرنے کی قدر جانی
طوفانِ جوشِ دل کی آنسو میں اک جھلک ہے | موتی میں کیا دھرا ہے بس ایک بوند پانی
ہستیِ آخرت سے اُمید ہے بہت کچھ | بہتر کشندہ ز اوّل نقاش نقشِ ثانی
رکھی رہی نصیحت نافذ ہوئی مشیت | کسنے سنی کسی کی اور کس نے کسکی مانی

۱۳۳۰
جہاں تک اپنے لیئے ہوں میں کی مستی ہے | جو کچھ خدا کے لیئے ہوں وہ اصل ہستی ہے
نہیں ہے فتنۂ وحدت میں خوف زلفِ بتاں | جو ہوش میں ہے یہ ظالم انھیں کو ڈستی ہے
نہ بھول شہرِ خموشی کا نقشہ اے کالج | خیال رکھ کہ یہی [illegible] کی بستی ہے
بتوں کو مجھ سے توقع ہے مدح کی اکبر | یہ سن لیا ہے کہ اردو زبان سستی ہے

۱۳۳۱
نہایت فکر گو مذہب کو ہے خوش انتظامی کی | نہیں ہے موت کو پروا کچھ اپنی نیکنامی کی
طلب تحسیں کی کیوں تجھکو ہے بزمِ حریفاں سے | سرورِ طبع خود ہے داد تیری خوش کلامی کی
تمہارا انتظامِ دل اگر روشن نہیں اکبر | تو بیتوں کو نہ چمکائینگی ترکیبیں نظامی کی

۱۳۳۲
اللہ اللہ کتنی نازک وہ رنگیلی ہو گئی | نام ہی سے ہے کہ شستہ نشیلی سیلی ہو گئی
سایۂ مغرب میں قیسِ دل نے پھیلایا تو پانوں | چار ہی دن میں مگر پتلون ڈھیلی ہو گئی

۱۳۴۴
جماعت منتشر ہو فطرتی مجلس تو باقی ہے — زبانیں بند کر دو دل کے اندر حس تو باقی ہے
اسی کا رنگ حسرت دیکھکر بہلا رہیں گے دلکو — چمن سے گل اگر رخصت ہوا نرگس تو باقی ہے
یہ مصرعہ قافیے ہی کیلئے ہے خوب اے اکبر — ہوا اجڑا لکھنؤ کچھ غم نہیں پیرس تو باقی ہے

۱۳۴۵
ملانا خاک میں فطرت جب اپنی دل لگی سمجھے — تعجب ہے کہ تو اس زندگی کو زندگی سمجھے

۱۳۴۶
یہ عجب عمل ہے عجب اثر یہ عجیب نقش ابھر گئے — جو بچے بہت تو بچے ذرا جو کھری کہی تو دھرے گئے
تری بزم اکبر خوش بیاں ہے محل فرحت دوستاں — جو ملول آئے وہ خوش گئے جو فسردہ آئے ہرے گئے

۱۳۴۸
قومی ترقیوں کی زمانے میں دھوم ہے — مردانے سے زیادہ زنانے میں دھوم ہے

۱۳۴۹
تیزیاں کرتے ہیں قانون بدلنے والے — زحمتیں سہتے ہیں قانون پہ چلنے والے

۱۳۵۰
ادھر فریاد بلبل ہے کہ یہ سب رنگ فانی ہے — ادھر رونا ہے شبنم کا کہ گل کی یہ ہنسی کیسی
کبھی خوانِ فلک سے کوئی نعمت میں نے چکھی تھی — مگر یہ بھی نہیں یاد اب کہ لذت اسکی تھی کیسی
تماشائے جہاں اے بے خبر تجھکو مبارک ہو — یہاں دل داغ حسرت سے بھرا ہے دل لگی کیسی
جہاں گھر تھا وہاں قبریں جہاں دل تھا وہاں شعلے — یہ ماتم خیز منظر سامنے ہے خوش دلی کیسی
گلِ مضموں سے اکبر رنگِ خونِ دل ٹپکتا ہے — تری حالت یہ کیا ہے یہ غزل تو نے کہی کیسی

۱۳۵۱
نہ سہی لطفِ نظم گوئی ہی سہی — شیخ صاحب مہنت جی ہی سہی
زندگی کو ضرور ہے اک شغل — خیر بالفعل لیڈری ہی سہی

۱۳۵۲
دین آخرت کا واعظ دنیا ہوس کی بانی — جھگڑے میں پڑ گئی ہے انساں کی زندگانی
الفاظ سے نہیں ہے تسکین اسکے دل کو — اکبر پہ رحم فرمائے خالقِ معانی

۱۳۵۳
قصیدے سے نہ چلتا ہے نہ یہ دوہے سے چلتا ہے — سمجھ لو خوب کارِ سلطنت لوہے سے چلتا ہے

۱۳۵۴
کبر بھی شرک ہی کی ہستی ہے — خود پرستی بھی بت پرستی ہے

۱۳۹۵
حضرتِ اکبر نے فرمایا یہ خوب — داد کے قابل ہے یہ فرزانگی
عذر ہمکو کچھ غلامی میں نہیں — ہے فقط تکلیف دو بیگانگی

۱۳۹۶
موج ہے دل میں مرے قافیہ پیمائی کی — جا کے گنگا پہ کہا کرتا ہوں جے مائی کی

۱۳۹۷
آنکھیں ساقی کی تھیں نشیلی — ابتک میں بچا تھا آج پی لی
پھاڑے مغرب نقاب نسواں — مشرق نے تو آنکھ اپنی سی لی
بولی فطرت دل و زباں دیکھو — یہ ہمارا ہے وہ تمھاری ہے
ذمہ داری ہیش خلق اُس پر — اس کا شاہد جناب باری ہے

۱۴۰۰
اب ہے ساون کا سماں اور مہ جولائی ہے — یہ ہوا خوب کہ بیلے کی بھی بولائی ہے

۱۴۰۲
قوتِ ایماں سے کہدو سب کو سمجھائی رہے — نیکیاں کثرت سے ہوں مغلوبیت جاتی رہے

۱۴۰۴
ہم سے چھن کر ہو گئی بزم ترقی کے سپرد — سچ کہا مرزا نے اب اردو بھی کورٹ ہو گئی

۱۴۰۵
خوشامد ہے بیجا دنائت ہے چغلی — دل و دیں کی بیشک تباہی یہی ہے
فسادات کے تم نہ حامی ہو ہرگز — گورمنٹ کی خیر خواہی یہی ہے

۱۴۰۶
بہتر سمجھے ہو تم جو خاموشی کو — یہ بھی نہ کہو کہ خامشی بہتر ہے

۱۴۰۷
غفلتوں کا خوب دیکھا ہے تماشا دہر میں — مدتیں گذری ہیں مجھکو ہوش میں آئے ہوئے
خانۂ دل کو مرے توڑا تو کیا ایسی نمود — چشم بد دور آپ تو ہیں مسجدیں ڈھائے ہوئے
سیٹھ صاحب کے یہاں شادی ہے رندوں کو نوید — اچھے اچھے طائفے ہیں شہر میں آئے ہوئے
بائی جی نے سچ کہا لاؤ کوئی تازہ غزل — گیت کیا گاؤں گراموفون میں گائے ہوئے
ہو چکی دو دن کی شادابی اُڑا رنگ بہار — پھول ہیں سوکھے ہوئے غنچے ہیں غم چھائے ہوئے

۱۴۰۸
شیروں نے شتربن کے اٹھایا ہے انکا بار — بکری بنے ہوئے ہیں طرفدار گائے کے

ناسخ کے سامنے نہیں رہتے تعصبات | آخر مطیع ہوتے ہیں سب اسکی رائے کے
اچھے وہی جو شوق الٰہی میں محو ہیں | تم کہہ ہی کیا رہے ہو بجز ہائے ہائے کے

۱۴۰۹
ہیں خدا کیلئے ہیں بیشک جلسے ہمارے لیکن نہیں ہر | قضا پہ راضی ہوں جب بھی ہم مغربی پرچے نہیں ہوا
طبع اکبر پہ رنگ اکبر پہ اسکی باتیں اسکے نغمے | ادب کے قابل ہے اسکی مستی شراب اگر وہ پیتے نہیں ہے

۱۴۱۰
اک مرض بن کر مسلط ہے بلائے زندگی | درد ہی سے ہو رہی رہتی ہے دوائے زندگی

۱۴۱۱
دنیا کا ذرا یہ رنگ تو دیکھ ایک ایک کو کھائے جاتا ہے | بن بن کے بگڑتا جاتا ہے اور بات بنائے جاتا ہے
انسان کی غفلت کم نہ ہوئی قانون فنا کی عبرت سے | ہر کام پہ کٹتے پاؤں بھی ہیں اور سر بھی اٹھائے جاتا ہے
اسکو خبر کچھ اسکی ہی ہے اسکو ہے نہ کچھ پروا اس کی | روتا ہے رلائے جاتا ہے ہنستا ہے ہنسائے جاتا ہے
کچھ سوچ نہیں کچھ ہوش نہیں فتنوں کے سوا کچھ جوش نہیں | وہ لوٹ کے بھاگا جاتا ہے یہ آگ لگائے جاتا ہے

۱۴۱۲
بہار بے بقا پر ناز کیسا اور خوشی کیسی | بجا ہے حیرت نرگس کو گل کی یہ ہنسی کیسی
خلاف بیخودی کیوں ہے یہ وعظ حضرت واعظ | خودی ہی کو نہیں سمجھا ابھی تک بیخودی کیسی
نہ پوچھا قیس نے لیلیٰ نے کچھ مجھکو بھی پوچھا تھا | جو آیا واں سے بس اتنا ہی پوچھا اس سے تھی کیسی
خدا کے ساتھ ہونیکا یقیں مشکل سے آتا ہے | وگرنہ جب الٰہی ساتھ ہو پھر بیکسی کیسی

۱۴۱۳
جب "خوب کیا" کا کوئی موقع نہ نکالا تو | پھر کیا جو ہوئی دھوم فقط "خوب کہی" کی

۱۴۱۴
قرآن پڑھکے میری تو قائم ہوئی یہ رائے | صرف دعا رہو نہ اہا ہا نہ ہائے ہائے
گردن کشی کریں گے عرب میں اب اونٹ بھی | اب تک تو ہند ہی میں پھڑکتی تھی مجھ سے گائے

۱۴۱۵
اے فلک انگلش و جرمن ہوں مبارک تجھکو | ہمکو تو اردو و ہندی میں بسر کرنا ہے

۱۴۱۶
مذہب دبا ہوا ہو فکر معاش سے | اندازہ ترقی ملت اسی میں ہے

۱۴۱۷
جو حرا کے جاننے والے تھے صوفی ہو گئے | داستان بدر والے شیعہ سنی ہو گئے

۱؎ مصنف خود ان قوافی کو بالکل ٹھیک نہیں سمجھتا۔

۱۳۱۸	شیران مشرق کا اُنھیں منظور ہی شکار	پھیلنے بندھے ہوئے ہیں ترقی کے شوق کے
۱۳۱۹	مسٹر نقلی کو بھٹے میں سزا کیسی ملی	شرح اُسکی نامناسب ہی ملی جیسی ملی
۲۰	اُسنے بھی لیکن ادب کردیا یہ التماس	چارہ کیا تھا اے خدا تعلیم ہی ایسی ملی
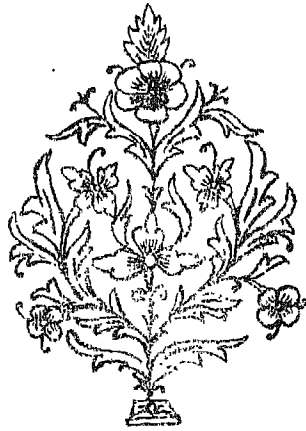
قطعات

۱۴۲۰

ابتدائے عالمِ ہستی میں میں بیہوش تھا | ہوش جب آیا تو دل میں غفلتوں کا جوش تھا
پھر مصائب اور فنا کے تجربے پیہم ہوئے | بعدازاں جب تک جیا مغموم تھا خاموش تھا

۱۴۲۱

اک بحرِ بےکراں ہے حوادث کا سلسلا | اُلجھا جو ذہن اس میں وہ دیوانہ ہو گیا
اُٹھے مورخین زمانے میں گُم ہوئے | افسانہ گو جو تھا وہ خود افسانہ ہو گیا

۱۴۲۲

فنا کے سامنے ہم کیا ہماری ہستی کیا | برائے نام مگر اک نشان پا ہی لیا
ہوا جو ہم نفسِ قطرہ بن گئی دم بھر | حباب نے بھی خودی کا مزا اُٹھا ہی لیا

۱۴۲۳

ہوئی تدبیرِ کفر آمیز سے بدتر مری حالت | بجا ہے مجھ کو اس تاریک باطن کا گِلا کرنا
پریشانی کو افعی کر دیا زلفوں کو سلجھا کر | بلا کو سخت تر کرنا ہے اصلاحِ بلا کرنا

۱۴۲۴

شوق اگر یہ ہے کہ ہوتی ہے صحّت پیدا | بہ تکلف نہ کیا کیجئے رغبت پیدا
گھر میں احساس ضرورت ہو تو بازار کو جا | گر نہ بازار میں تو جا کے ضرورت پیدا

۱۴۲۵

پیٹ سے دل نے کہا درجہ ہمارا ہے بڑا | ساغرِ جمشید ہم ہیں تو ہے بنئے کا گھڑا
پیٹ بولا اصطلاحیں ہی سب منسوخ ہیں | ہم ہیں اب غربی گدام اور تو ہے شرقی چھچھوڑا

۱۴۲۶

تمکین اک نشان ہے عصمت کی آن کا | پردا بس اک ظہور ہے عورت کی شان کا
پردا نو انکا حق ہے نہیں اُن پہ جبر کچھ | آیا ہے اُن پہ وقت یہ سخت امتحان کا
شوخیِ مغربی کے خریدار ہیں بہت | گاہک مگر خدا ہے حیا کی دکان کا

۱۴۲۷

یہ کہتے نہیں ہم کہ گردوں نے ہم کو | مسلمان ہونے کا شائق نہ رکھا

مگر یہ کہ اوضاعِ دنیا نے ہم کو ۔۔۔ مسلمان رہنے کے لائق نہ رکھا

۱۴۲۸ انتظامی بات ہے یہ ہونی آئی ہے یونہیں ۔۔۔ اسکا کیا شکوہ کہ انکو ہم پہ غالب کر دیا
ہاں یہ ہے افسوس ہم سے چھن گیا صبر و قرار ۔۔۔ طالبِ حق کو فلک نے اُن کا طالب کر دیا

۱۴۲۹ کہا بقراط سے دنیا میں کیوں آیا تو اے دانا ۔۔۔ کہا اُس نے کہیں لایا گیا مجھکو پڑا آنا
کہا کیونکر بسر کی عمر بولا ساتھ حیرت کے ۔۔۔ کہا کیا جانا بولا کچھ نہیں جانا یہی جانا

مرگِ ہاشم سنہ ۱۹۱۳ء

۱۴۳۰ اک زمانا تھا کہ مجھکو اپنے دل پر ناز تھا ۔۔۔ ہر مصیبت میں وہ میرا مونس و دمساز تھا
بزمِ ہستی میں کدورت سے رہا کرتا تھا پاک ۔۔۔ گو حوادث کیلئے اک فرشِ پا انداز تھا
میرے ہر اندیشۂ مضطر کا تھا وہ غمگسار ۔۔۔ ہر نفس میرے لیئے وہ گوش بر آواز تھا
انقلابِ دہر سے بے اعتنائی تھی اُسے ۔۔۔ اسمیں حیرت آفرینی تھی تو یہ طنّاز تھا
پیش آیا ناگہاں وہ اک فراقِ روح سوز ۔۔۔ برقِ بیتابی بنا جو صبر میں ممتاز تھا
اب وہی آرام جاں اک زخمِ پہلو ہو گیا ۔۔۔ کیا یہی وہ دل ہے اکبر مجھکو جسپر ناز تھا
ہاں وہی دل ہے کہے گا تجھ سے اک دن ناز سے ۔۔۔ تیرا صدمہ خوبیٔ انجام کا آغاز تھا

فریادِ مجنونانہ

۱۴۳۱ جس سے میری زندگی تھی مر گیا۔ کیوں سکا ۔۔۔ چرخ نے یارب ستم مجھ پر کیا کیوں کر سکا
واقعاتِ جانگزا کا کیوں ہوا ایسا وقوع ۔۔۔ کیوں نہ میری آہ سے قانونِ فطرت رک سکا

۱۴۳۲ بھلا سائنس کیا سمجھے نزاکت شوقِ عاشق کی ۔۔۔ کہاں خوردبیں سے وہ نکلا جسے دیکھیں کہ ہاں تھا

لیا فوٹو نے زندہ عکس لیکن چشم بیجاں میں — ہماری آنکھ میں گو حسن تھا لیکن عکس بیجاں تھا

۱۴۳۳ کریں کوشش مگر اس وقت میری رائے میں اکبر — مناسب مشورہ ہی صبر و یکسوئی و تقویٰ کا

۱۴۳۴ صبح کو کہتا ہوں بکھولوں کس طرح کٹتا ہے دن — شام اُسے ایسا بھلا دیتی ہے گویا کچھ نہ تھا

عمر یوں ہی کٹ گئی آخر ہوا معلوم یہ کہ — عرصۂ ہستی بجز امروز و فردا کچھ نہ تھا

۱۴۳۵ اکبر کی خرافات سے ناخوش ہوئے ایسے — نامہ ہے نہ پیغام نہ حصہ ہے نہ بخرا

مانا کہ حسینوں کیلئے ناز ہے لازم — لیکن کوئی پوچھے تو کہ پاگل سے بھی نخرا

۱۴۳۶ کالج میں ہو چکا جب امتحاں ہمارا — سیکھا زباں نے کہنا ہندوستاں ہمارا

ہمّت کو کم سمجھ کر اکبر یہ بول اُٹھے — ہندوستان کیسا سارا جہاں ہمارا

لیکن یہ سب غلط ہے کہنا یہی ہے لازم — جو کچھ ہے سب خدا کا وہم و گماں ہمارا

۱۴۳۷ کل واقعاتِ دہر کہاں ہسٹری میں ہیں — فوٹو ہے صرف سطحِ پیشِ نگاہ کا

وہ بھی فقط خیالِ مصنف بہ قیدِ خود — کیا بن سکے چراغ صداقت کی راہ کا

اس طرف تو نے ہسٹری ٹالی — اُس طرف جا کے فلسفا پھانکا

لیکن اکبر خیالِ عقبیٰ سے — نارِ جنت کو بھی کبھی جھانکا

۱۴۴۳ غرور توڑ کے منطق کو سست کر دیگا — زمانہ آپ ہی اُس کو درست کر دیگا

بلا پہ صبر کرو تم خدا خدا میں رہو — خدا ہی صبر کی ہمّت کو چست کر دیگا

۱۴۴۴ صد حیف کہ ماہِ رمضاں ختم ہوا آج — پھر رات کو عالم ہے وہی بے خبری کا

اُٹھتے تھے سحر کھانے کو اشعہ جلتی تھیں شمعیں — افسوس گیا نورِ چراغِ سحری کا

۱۴۴۵ میری طرف سے سارا جہاں بدگماں ہے اب — آزادیِ کلام وہ مجھ میں کہاں ہے اب

رکھتی ہیں پھونک پھونک کے باتیں مری قدم — تیغِ زباں نہیں ہے عصا زباں ہے اب

۱۲۴۷
کہتا ہوں میں بھی ہیچ ہو جائیگی ساری تین پانچ انکی ——— طریقے آپ کے لیکن جو ہیں کہنے کی کیا حاجت
تو نیچ پیچ کہا اس نشست میں حضرت ہی نے یہ پیچ ——— عقیدوں کی دوا کا پیچ تعصب کی دوا حاجت

۱۲۴۸
طرح مغرب کو دیکھکر جو کہے ——— با ہمیں طرح ہا بباید ساخت
کہہ دے قرآن سے بھی وہ یہ بات ——— با ہمیں شرح ہا بباید ساخت

۱۲۴۹
دردِ سر میں نے کی ڈنڈوت ——— بھری تھی مرے دل میں بھکتی کی پریت
کیا شور چیلوں نے یہ ہر طرف ——— مہاراج کی ہو گرو جی کی جیت

۱۲۵۰
کرلی ہر تو پ میں نے نئی روشنی کی جانچ ——— مجھ سے بہت نہ کیجئے اب آپ تین پانچ
ان لیڈروں کی شعلہ زبانی سے کیا ہوا ——— ہانڈی تو سرد رہ گئی مذہب پر آئی آنچ

الف ۱۲۵۰
میں نے کہا یہ اپنے خیالِ خضر سے آج ——— بتلاؤ اس روش سے ترقی کی کیا امید
ہر گام پر جو طاعتِ حق سے الگ پڑا ——— ہوتے رہو گے مرکزِ قومی سے تم بعید
ہاں انتشار و جہل کی کیفیت ہو گی جب ——— ہو جاؤ گے بتانِ کلیسا کے تم مرید
شاید کہ مدعا بھی تمہارا ہے بس یہی ——— ہر چند ابھی ہے درس کے پردے میں ناپدید
حیرت سے مجھکو دیکھ کے اس خضر نے پڑھا ——— حافظ کا اک یہ شعر جو معنی کو تھا مفید
سرِ ازل کہ عارف سالک بکس نگفت ——— در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

۱۲۵۱
انور سے کہا میں نے کہ تم خاموش ہو کیوں ——— تقریر نہ تحریر نہ غصہ نہ خوشامد
بولا ہو سکے نہ دمساز نہ یاروں کے ہم آواز ——— ماہی میں نہ ممتاز نہ اشتر میں سر آمد
سمجھے لگے کیا آپ کو معلوم نہیں ہے ——— کاں را کہ خبر شد خبرش باز نیامد

۱۲۵۲
اکبر میں بھی باقی کچھ اسے تذرد شد ——— تو لیس پھینکتے ہیں وہ لفظی کمند
ہے پاپ تکچر آمد از حسرت الم شد ——— بیکبار بہم مقدار چنید دو چند

فتنہ انگیز اختلاف میں ہے | اُس کے خرمن کا دانہ دانہ ہنوز
وہی ابتک ہی طاقتو نہیں نفاق | وہی انداز حاسدانہ ہنوز
وہی سامان خانہ جنگی کے | وہی طرز معاندانہ ہنوز
ہو کھلا حرص جنگ دنیا میں | نار و آہن کا کارخانہ ہنوز
خود فراموش خود فروش وہی | وہی سودائے تاجرانہ ہنوز
وہی لیسنس کی طلبگاری | وہی انکار کا بہانہ ہنوز
ہاں جو عرفان کھولیدے دیدِ دل | ہے نظر میں وہی زمانہ ہنوز
وہی شوق اور وہی اثر ہو جو | وہی تیر اور وہی نشانہ ہنوز
دلِ حق بین کو سلطنت کا سرور | وہی تسکین عابدانہ ہنوز
چشم مشتاق کا عروج وہی | اور وہی جوش عارفانہ ہنوز
وہی عہدِ الست پیش نظر | مستی بادۂ شبانہ ہنوز
ہست مجلس براں قرار کہ بود | ہست مطرب براں ترانہ ہنوز

۱۴۶۲
کچھ دل ایسے ہیں کہ ہے جنہیں مضامین کا جوش | کچھ زبانیں ہیں دکھاتی ہیں جو تحسین کا جوش
ذوق طاعت کا اگر دل میں نہیں ہے پیدا | نہ زبانوں پہ دعائیں ہیں نہ آمین کا جوش

۱۴۶۳
نغز شیں بہ ظرافت میں جو کچھ آئیں نظر | دوستوں سے التجا یہ ہے کریں اسکو معاف
سرد موسم تھا ہوائیں چل رہی تھیں برف بار | شاہدِ معنی نے اوڑھا ہی ظرافت کا لحاف

۱۴۶۴
نیت ہو اگرچہ خیرِ ایماں کی طرف | آنکھیں نہ اٹھاؤ بزم عصیاں کی طرف
مانا کہ پڑھو گے واں پہنچکر لاحول | جانا ہی تو ٹھہر گیا ہی شیطان کی طرف

۱۴۶۵
بے گزٹ ہو کے جو رہیئے تو محلے میں حقیر | با گزٹ ہو کے جو چلئے تو فرشتو نمیں خفیف

کیسے چکر میں بزرگوں کو پھنسا رکھا ہے ۔۔۔ حضرت پیر فلک بھی ہیں عجب آفت شریف

۱۴۶۶
قرآن رہے پیش نظر یہ ہے شریعت ۔۔۔ اللہ رہے پیش نظر یہ ہے تصوف
مقصود تو واحد ہے اگر غور سے دیکھو ۔۔۔ عامل نہ ہے اسکے اسی کا ہے تاسف

۱۴۶۷
اکبر سے میں نے پوچھا اے واعظ طریقت ۔۔۔ دنیا سے دوستی رکھوں میں کسقدر تعلق
اُسنے دیا بلاغت سے یہ جواب مجھکو ۔۔۔ انگریز کو ہے ہندو سے جس قدر تعلق

۱۴۶۸
ترقی خواہ ہی تو صحن مسجد چھوڑ دے اکبر ۔۔۔ کہا اُسنے ترقی ہی تو خود پہنچے گی مسجد تک
تو دنیا نام اِدھر سنا تو نے کیا پھیرا اُدھر بیٹھے ۔۔۔ انہیں تو تک پہنچنا ہے مجھے اللہ واحد تک

۱۴۶۹
گو کہ دونوں ہی نظر آتے ہیں نیک ۔۔۔ ایک ظاہر ایک ہے باطن کی ٹھیک
میں نے پوچھا ایک سے راز کی کہئے ۔۔۔ دے جواب اسکا تمھاری طبع نیک
بے تکلف کہدیا مُلّا نے دو ۔۔۔ حضرت صوفی یہ بولے پھر بھی ایک

۱۴۷۰
سامان عیش کچھ نہ رہا اُڑ رہی ہے خاک ۔۔۔ اس غم میں اپنی جان نہ کیوں کر دوں ہلاک
میں نے تو جل کے کہدیا اس سال جون میں ۔۔۔ ٹٹی اگر نہیں نہ ہو خس کم جہاں پاک

۱۴۷۱
کہتے ہیں ہندو ہم سے مسلم ہیں یہ دو قومیں ہم ۔۔۔ سر پہ انگریزی ہے اس سے ہوئی حالت اہم
ہیں آپس سے جدا لیکن محافظ اور معین ۔۔۔ اسکے سائے میں ہیں باہم شامل ہوں ہم

۱۴۷۲
دوست کیونکر ہوں نہیں جب ہم خیال و ہم مذاق ۔۔۔ لیکن اسکا یہ اثر کیوں ہو کہ ہوں دشمن بہم
اپنا اپنا وقت ہے موقع ہے اور میلان طبع ۔۔۔ آپ اپنے شغل میں رہئے اور اپنی دھن میں ہم

۱۴۷۳
بندوں کے فہم و زور کی اک حد ہے وہ بھی ہیچ ۔۔۔ کرتا ہے خود وہ اپنی خدائی کا انتظام
ان ممبروں میں کوئی کدورت نہ ہو بہم ۔۔۔ آپس میں بھی کریں یہ صفائی کا انتظام

۱۴۷۴
خبر کیا انقلاب دہر کی ان نوجوانوں کو ۔۔۔ نئی حالت نئی آنکھیں نئے انکے تماشے ہیں

بڑی عمریں ہیں جنکی آپ سے سنیئے حال دنیا کا | نگاہوں میں تو ملتے نہیں زبانوں پر فسانے ہیں

۱۴۰۵ گوشۂ صبر و قناعت ہی میں اب محفوظ ہوں | شہد سے محروم ہوں تو زہر سے محفوظ ہوں

گو حریفوں کی نظر میں ننگ بے پیکا ہو مرا | نرگس مستانۂ ساقی کا میں ملحوظ ہوں

۱۴۷۶ پاس کالج کے جو ہیں ووٹ طلب کرتے ہیں | پاس مسجد کے جو ہیں طاعت رب کرتے ہیں

عشوہ ہائے عجمی کے وہ ہوئے ہیں کشتہ | یہ ابھی سادگی طرز عرب کرتے ہیں

انکو ہے لمنیڈ و وسکی کی ضرورت اور یہ | رفع پانی سے فقط خشکی لب کرتے ہیں

پھیلتے وہ ہیں کہ اغیار سے جوڑیں رشتہ | یہ ہیں سمٹے ہوئے اور حفظ نسب کرتے ہیں

وقت کو دیکھ کے اب آپ ہی انصاف کریں | وہ ستم کرتے ہیں یا آپ غضب کرتے ہیں

۱۴۷۷ تعلیم یافتہ ہوں اور نیک بخت بھی ہوں | تم سے رہیں کلام شیطاں پہ لعنت بھی ہوں

قرآن ہی کرے گا ان بی بیوں کو پیدا | پاکیزہ تخم جب ہوں عمدہ درخت بھی ہوں

۱۴۷۸ چرخ نے پیش کمیشن کہہ دیا اظہار میں | قوم کالج میں اور اسکی زندگی اخبار میں

شوہر افسردہ پڑے ہیں اور مربی آوارہ ہیں | بی بیاں اسکول میں ہیں شیخ جی بازار میں

۱۴۷۹ پھر خاک کے پتلے کو ابھارا ہے فلک سا کئے | یکتائی کے اظہار میں مست اہل زمیں ہیں

پھر آپ کو یہ دعویٰ ہے کہ ہم بھی ہیں کچھ چیز | اور ہم کو یہ ہے ناز کہ ہم کچھ بھی نہیں ہیں

۱۴۸۰ میرے عمل سے نہ شیخ خوش ہیں نہ بھائی خوش ہیں نہ باپ خوش ہیں
مگر میں سمجھا ہوں اسکا اچھا دلیل یہ ہے کہ آپ خوش ہیں

[illegible] ہم بھارا اکے اے برادر

زمانے دو رخے ہیں مگر تمہارے دوست ہیں یا آپ خوش ہیں

۱۴۸۲ [illegible] ہمیشہ رولیاں | ہے لگاؤں گا گل داغ جگر کی [illegible]

ضبط کیجے جا سکے بخیے ٹوٹتے ہیں دوستو ہائے یہ بلیں کشیدہ اور ایسی جالیاں
خور مستقبل پر ہی ماضی مگر یہ حال ہے دی و فردا کیا کروں پاؤں جو یہ خوشحالیاں
آسماں سے کیا غرض جب ہو زمیں پر یہ چمک ماہ و انجم سے ہیں بڑھکر اُنکے بندے بالیاں
قول وہ کہتی ہیں مجھکو بھی نہیں سمجھا ہو تم ہیں گل رنگیں سے بہتر ان گلوں کی گالیاں

۱۴۸۴
کچھ سمجھ میں نہیں آتا یہ طلسم ہستی اُسکی قدرت کے کرشمے بھی عجب ہوتے ہیں
جان جب خاک میں چھٹتی ہے تو ہوتی ہے خوشی خاک جب خاک میں ملتی ہے تو سب روتے ہیں

۱۴۸۵
مجھکو حیرت ہے کہ ہیں یہ کس گرو کی چیلیاں حشر برپا کر رہی ہیں مغربی البیلیاں
لطف آزادی کی دل میں بڑھ گئی ہے چاشنی اب تو شیشے میں اُترنے کی نہیں یہ چیلیاں
اپنے ہاتھوں اپنے سانچے کا کریں گی بندوبست یہ نہیں وہ گڑ کہ تم اُن کی بناؤ بھیلیاں[سلہ]

۱۴۸۷
کچھ غرض ان سے ہے احباب اس شک میں ہیں بس یہ ہے شوق کہ پبلک کی جھلک پاتے ہیں
نہیں منظور نماز میں گذریں راتیں ہاں کمیٹی ہو تو اُلجھے ہوئے شب تاب رہیں
نغمۂ مرغ سحر سے نہیں انجن کو غرض پیش انگاروں سے بھر بھجنے جھلک جھلک ہیں

۱۴۸۸
پایا جب کمیٹی کے چکر میں انہیں سب کا شریک رشک جاتا رہا اسپر کہ بڑے عالم ہیں
صبر و آزادی و طاعت کے مزے لو اکبر اُنکی راہوں پہ اُنھیں چھوڑ دو جو عالم ہیں

۱۴۸۹
ہمکو نئی روش کے حلقے جکڑ رہے ہیں باتیں تو بن رہی ہیں اور گھر بگڑ رہے ہیں
ذاتی ترقیاں ہیں قومی ہے ہر تنزل گرہیں یہ کھل رہی ہیں یا پیچ پڑ رہے ہیں
ٹانکے وہ لگ رہے ہیں جو کر دو تو نہیں ٹوٹیں بخیے جو فطرتی تھے وہ اب اُدھڑ رہے ہیں
سطح زمیں سے پوچھو کیا مل رہا ہے اسکو نظروں میں جھلجھڑی سے گو پھول جھڑ رہے ہیں
چلتی تو ہیں باتیں اور بھرتے ہیں شکم بھی لیکن امید کیا ہو جب دل اُجڑ رہے ہیں

سلہ بہ ضرورت قافیہ

یہ زیورِ معانی کسکی کریں گے زینت | لفظوں کے یہ نگینے کیوں آپ جڑ رہے ہیں

۱۴۹۰ ترقی کی نئی راہیں جو زیرِ آسماں نکلیں | میاں مسجد سے نکلے اور حرم سے بیبیاں نکلیں

مصیبت میں بھی اب یادِ خدا آتی نہیں انکو | دعا منہ سے نہ نکلی پاکٹوں سے عرضیاں نکلیں

۱۴۹۱ سکھاتے ہیں جو اغیار آپ بھی دل سے شیدا ہیں | نہ جانا یہ کہ ہم کیا ہیں یہی سمجھے کہ وہ کیا ہیں

خرابی ہے اصولی تفرقہ - اسکا نتیجہ ہے | تماشائی ہیں وہ سر اُٹھے لیئے ہم اک تماشا ہیں

۱۴۹۲ ہماری حالت کو کچھ نہ پوچھو | فعول فعلن فعول فعلن فعول فعلن فعول فعلن

پچھاڑیں کھاتے ہیں جو ٹوٹتے ہیں بگڑتے ہیں شیخ جی کا دامن | مگر مشینیں جو چل رہی ہیں انھیں میں آپ انجھی کسے ہیں

۱۴۹۳ وہ فقط وضع کے کشتہ ہیں نہیں قید کچھ اور | بیمس کو گون پہنا دیجئے عاشق ہو جائیں

۱۴۹۴ طعنے سنتے ہیں مگر شعر کہے جاتے ہیں | داد کے شوق میں بیداد سہے جاتے ہیں

رزولیوشن ہی کے تختے کا سہارا ہو فقط | بحرِ تدبیرِ ترقی میں بہے جاتے ہیں

ملک الموت نے نوٹس نہ دیا تھا افسوس | اس کمیٹی کے بہت کام رہے جاتے ہیں

آپ فرماتے ہیں ہو بہر ترقی کی تو آ | سو جہاں کہتی ہے دنیا کہ یہ خود ہی بہے جاتے ہیں

۱۴۹۵ گرجا میں ٹھٹ تھا مسجد میں شیخ صاحب | بدھو تھا سو فنی کیسے مگر یہ بھی اُتر رہے ہیں

خاک اُڑ رہی ہو تھر میں پوڑھی میں تُل بچا ہو | نہ ہم سکے ہیں مُحالف بھائی سے لڑ رہے ہیں

۱۴۹۶ تعلیم لڑکیوں کی ضروری تو ہے مگر | خاتونِ خانہ ہوں وہ سبھا کی پری نہ ہوں

ذی علم و متقی ہوں جو ہوں اُنکے منتظم | اُستاد اچھے ہوں مگر استاد جی نہ ہوں

۱۴۹۷ یہ لیڈر ساتھ وہی مضطرب ہیں مگر حسنِ شوہی دکھاتے ہیں | جو شخص زندگی ہے اسکو یہ تو ہی بتاتے ہیں

بجز الفاظ کے حاوی نہیں کچھ بھی یہ کام آئے | یہ خود مجذبی ہیں لیکن گیت کُلّی کا سُناتے ہیں

۱۴۹۸ اللہ نے کہا ہے تم زیرِ امتحاں ہو | ہم جانتے ہیں بس ہم دنیا کے ممتحن ہیں

خود نفس کے ہیں تابع تقویٰ سے بے تعلق ✱ اوروں پہ نکتہ چینی ہے شغل رات دن ہے

۱۴۹۹
خانہ جنگی ہی میں حضرت مرد ہیں ✱ عیب جوئی کے ہنر میں فرد ہیں
اپنوں ہی کے واسطے ہیں شعلہ خو ✱ سامنے غیروں کے بالکل سرد ہیں

۱۵۰۰
ادھر جوانوں کو ہے یہ سودا کہ سیرِ بازار میں کریں ہم ✱ اُدھر خواتینِ خلوت آرا ہنوز مستِ اپنی نیند میں ہیں
مگر یہ قیدِ حرم کہاں تک بچا سکے دن نقاب کب تک ✱ کہ گبر و ترسا کی لیڈیاں بھی شریکِ واعظ کی فوج میں ہیں

۱۵۰۱
گئے مسیحا بس نئی تہذیب کی راہ اب کہاں ✱ تھینک یو میں صرف ہے الحمدللہ اب کہاں
ہم غریبوں ہی کو لازم ہے توجہ اس طرف ✱ التفاتِ صاحبانِ شوکت و جاہ اب کہاں
بزمِ آخر میں اقبال ہیں جو تجھے دے دولتِ دوست ✱ شوق ہے دربار کا وہ ذوقِ درگاہ اب کہاں

۱۵۰۲
مرے نزدیک تو بے اصل یہ اشکال ظاہر ہیں ✱ جو اچھے ہیں وہ مومن ہیں برے جو ہیں وہ کافر ہیں
وہی ہیں پاک طینت لو لگی ہے جن کی خالق سے ✱ نہیں ہے شرک کی جن میں نجاست بس وہ طاہر ہیں

۱۵۰۳
اللہ کو جگہ دے تو اپنے دل میں اکبر ✱ اللہ خود ہی دیگا تجھکو جگہ دلوں میں
اللہ ہی کو سمجھو مقصود علم و دانش ✱ اللہ ہی کو چاہو ہستی کی منزلوں میں
خوف و رجا سے دیکھو ہر دم اسی کی جانب ✱ فطرت کے منظروں میں طاعت کے سلسلوں میں
کرتے ہو سامنا تو دیکھے جب ذکر تم خدا کا ✱ ہوتے ہیں خوش ملائک بھی اپنی محفلوں میں
جو دین کے ہیں عالم راہِ خدا کے ہادی ✱ تم سمجھو خود کو ناقص بس وہ ہیں کاملوں میں
مسلم شریکِ ملت ہو بھی جو لغزشوں میں ✱ کم وقت اپنا کاٹو طعنوں میں اور گلوں میں
شامل تمہاری صف میں طاقت ہے وہ تمہاری ✱ کافی ہے یہ نہیں ہے وہ حق کے قاتلوں میں
رحماء بینہم پر رکھو نظر ہمیشہ ✱ ہر چند یہ طریقہ ہے سخت مشکلوں میں
ہنگامہ جو ہے شوقِ اعزاز و فکرِ روزی ✱ کوشش کرو مگر تم شامل ہو عاقلوں میں

اک بات کہتے کہہ دی ورنہ یہ وقت وہ ہے ——— تم بھی ہو خندہ زن اب ہم بھی ہیں پہلوؤں میں

۱۵۰۴ اک طرف تمکین ہے اور بیقراری اک طرف ——— انتظامِ طبعِ انساں ہے خدا کے ہاتھ میں
ہے وہی دیوار بس نقشے بگڑتے ہیں جو ہے ——— بنتے بگڑتے ہیں وہ ہے ہوا کے ہاتھ میں

۱۵۰۵ سچا ہوا اعتراض تو اس پہ بھی ہیں خموش ——— گو دل ہی دل میں غصے سے بھنتے بھی رہیں
کہتے ہیں خوب حضرت اکبر نے یہ کیا ——— لیکن میں دیکھتا ہوں کہ سنتے بھی خوب ہیں

۱۵۰۶ آدم چھٹے بہشت سے گیہوں کے واسطے ——— مسجد سے ہم نکل گئے بسکٹ کی چاٹ میں
صاحب سلامت اب بھی مری شیخ جی سے ہے ——— لیکن چھٹا چھٹا ہے وہی راہ باٹ میں

۱۵۰۷ خانقاہوں کے کھلیں در کس طرح ——— ہیں گوارا اب تنگ اپنی جھول میں
حکم گردوں ہے کہ حلقے چھوڑ دو ——— یا پرش میں جاؤ یا اسکول میں

۱۵۰۹ گردوں نے ہمکو اسکا لقمہ بنا دیا ہے ——— تہذیب مغربی کے معدے میں ہم پڑے ہیں
شخصیتیں جو اکثر تم دیکھتے ہو باقی ——— کیلوس ہو رہا ہے لقمے پڑے پڑے ہیں
اللہ نے جو چاہا ہم ہضم ہی نہوں گے ——— توحید اور قناعت کے پاسباں کھڑے ہیں
البتہ انکی نسبت کچھ رائے میں نہ دوں گا ——— جو اس سے خون ملنے کی آس پر اڑے ہیں

مناسب ہے نئی تعلیم نسواں ——— یہی راہ آپ اب پسند کرلیں
سمجھ لیں لاکھ باتوں کی یہ اک بات ——— میاں بدلے تو بی بی کیوں نہ بدلیں

۱۵۱۱ کفر پہ غصہ نہیں فطرت پہ کچھ حیرت نہیں ——— خانہ جنگی کے سوا بس اور کچھ رغبت نہیں
قوتِ انشا کو آخر صرف کرنا ہے ضرور ——— کیا کریں زورِ قلم ہے اور کچھ طاقت نہیں

۱۵۱۲ ہمیں تو آپ قناعت کے قل بچانے کو ——— وہ کہتے ہی ہیں نہ چھوڑو غریب خانے کو
تمھاری حرص بدل کے تمھیں کریگی ہلاک ——— ہمارا صبر بدل دیگا اس زمانے کو

۱۵۱۳

دنیا کو نہ دیکھو [illegible] میں دیکھو — اپنے قریہ میں اپنے گھر میں [illegible]

الفاظ کی شوکت نہ نزاکت پہ جاؤ — قائل کو تو لو اس کے اثر میں دیکھو

۱۵۱۴

اپنی محنت کو اپنا آنر سمجھو — اپنے پاؤں کو اپنا موٹر سمجھو

صحت اچھی تو ہر جگہ ہے آرام — اپنے ہی بدن کو اپنا گھر سمجھو

اے بی بی شرم ہی کو تم سمجھو حسن — اور اپنے ہنر کو اپنا زیور سمجھو

بی بی ہیں جو طرز مغربی ہو تو کہو — احسان ہے یہ جو مجھکو شوہر سمجھو

دست اندازی پولیس کی ہو جس میں روا — ہرگز نہ اسے کلام اکبر سمجھو

۱۵۱۵

کون کہتا ہے کہ تعلیم زناں خوب نہیں — ایک ہی بات فقط کہنا ہے یاں حکمت کو

دو اسے شوہر و اطفال کی خاطر تعلیم — قوم کے واسطے تعلیم نہ دو عورت کو

۱۵۱۶

سب سعی میں مصروف ہیں حاصل کی نہ پوچھو — مغرب کے خضر ساتھ ہیں منزل کی نہ پوچھو

ہے بحر مباحث میں رواں کشتی امید — لہروں کی لچک دیکھ لو ساحل کی نہ پوچھو

۱۵۱۷

منزل کو تو بس پہنچنا ہے — خواہ چھکڑا ہو خواہ موٹر ہو

۱۵۱۸

زمیں سے فیض نامحدود کا کیونکر تحمل ہو — ترقی دنیوی یہ ہے کہ اوروں کو تنزل ہو

یہی بنیاد ہے دنیا میں جور و ظلم و غفلت کی — تو اس سے محترز رہنے میں کیوں تجھکو تامل ہو

طلب دنیا کی کر اتنی کہ طاعت ہو سکے رب کی — [illegible] شرط اتنی ہے کہ شوکت ہو تجمل ہو

حکومت کی طلب کا بھی یہی مقصود ہے اصلی — کہ روحانی طریقے سے خلائق کو توسل ہو

ترقی ہے جو روحانی وہی ممدوح ہے اکبر — کہ ہو ہر جزو کو آسودگی کو شرکت کل ہو

۱۵۱۹

وزن نامحدود میزان نظر میں خوب ہے — نام کی خاطر پرستش کر تو لو تماشا کیوں ہو

دین حق ہے آنکھ زینت ہے تماشائے جہاں — تم تماشائی رہو اکبر تماشا کیوں ہو

۱۵۲۲ خواہ صاحب کو تم سلام کرو — خواہ مندر میں رام رام کرو
بھائی جی کا فقط یہ مطلب ہے — جسمیں روپیہ ملے وہ کام کرو

۱۵۲۳ پڑھ دیا اکبرِ مغموم نے یہ شعرِ بلیغ — جب کہا اُس سے کہ اس بزم میں کچھ تم بھی کہو
چین کے ساتھ ہم اسوقت بھی رہ سکتے ہیں — شرط یہ ہے کہ فقط پیٹ ہو اور آنکھ نہ ہو

۱۵۲۴ اک دل لگی ہے وقت گذرنے کے واسطے — دیکھو تو ممبروں کے ذرا ایر پھیر کو
اپنی کمیٹیوں سے ہے پھل کا امیدوار — اکبر درخت سمجھا ہے پتّوں کے ڈھیر کو

۱۵۲۵ مذہب کی لیپ پوت سے دبتی نہیں ہے عقل — بس عشق ہی مٹاتا ہے اُس کی کُرید کو
دینِ خدا کے نور کا جلوہ نصیب ہو — دل کی نگاہ پائے جو وحدت کے بھید کو

۱۵۲۶ رنگِ زمانہ طرزِ طبائع کا بھی ہے پاس — تقویٰ کا گو خیال بہت ہے جناب کو
مرعوب ہو گئے ہیں ولایت سے شیخ جی — اب صرف منع کرتے ہیں دیسی شراب کو

۱۵۲۷ اِسکو سُنتا ہوں اُس پہ جھکتا ہوں — کوئی دعوے ہو یا کوئی درگاہ
ایک اور اِک دو مگر زبان پہ ہے — دل میں ہے لا اِلٰہ الا اللہ

۱۵۳۰ لباس واتحاد و دینِ غیرت ایک تھے ہیں — نئی تہذیب کا یہ پیٹ ہے یا رب کہ مٹکا ہے

۱۵۳۱ پڑھے اُس جا جہاں تاثیرِ ملّت جا نہیں سکتی — بسے اُس جا کہ آوازِ اذاں بھی آ نہیں سکتی
تمھیں کو ناز ہو لے نوجوانو اس طریقے پر — مری امید تو نغمہ خوشی کا گا نہیں سکتی

۱۵۳۲ انساں کا علم کامل سابق میں تھا نہ اب ہے — لیکن نئی طرح کا اک تجربہ رہا ہے
مرزا غریب چپ ہیں اُنکی کتاب ردّی — شیخو اکڑ رہے ہیں صاحب نے یہ کہا ہے

۱۵۳۳ مجھ اضافہ وہ بتِ بھبوت پرست ہے — کتنا ہو آخرت کا یہی بندوبست ہے
اپنے عیوب پر تو ذرا بھی نظر نہیں — اوروں پہ اعتراض میں ہر تن مست ہے

۱۵۳۵
نئی تہذیب کی عورت میں کہاں دین کی قید — بے حجابی جو ہوا میں تو قباحت کیا ہے
نورِ اسلام نے سمجھا تھا مناسب پردہ — شمع خاموش کو فانوس کی حاجت کیا ہے

۱۵۳۶
جناب ہی کو مناسب ہے یہ سوالِ کرن — نیاز مند کو تو چپ ہی میں راحت ہے
زمانہ ہے کہ وہ دشمن ہے صاف گوئی کا — زبان ہے کہ نہیں مانتی مصیبت ہے

۱۵۳۷
مرغی نے کہا خوب کسی کمپ میں کٹ کے — انڈا وہی اچھا ہے کہ بچا جسے کھٹ کے
دیوارِ شکستہ نے ترقی کی دعا کی — گردوں کی عنایت سے بنگلی کٹ کے

۱۵۳۸
کیوں اپنے سر یہ زحمت بے سود لیجئے — کونسل کے بدلے گھر میں اپیل کو دیجئے
کھاپی کے گھر میں بیٹھئے اور گائیے بھجن — کاشی سے جل پراگ سے امرود لیجئے
ہو وضع اپنے دیس کی مال اپنے دیس کا — بہتر ہے راہِ منزلِ بہبود لیجئے

۱۵۴۰
ہوائے کوچۂ مشرق کی موجیں یاد ہیں ہم کو — نہ تھی منزل راحت وہی رفتار اچھی تھی
نئی محفل کی نکتہ‌دانی تو گویا طوقِ گردن ہے — وہی بتخانہ بہتر تھا وہی زنّار اچھی تھی

۱۵۴۱
شوخی یہ لیڈروں کی یہ ملت کی ابتری — تاریک شب میں کشمکشِ برق و ابر ہے
محفوظ مثلِ انجم تاباں ہیں وہ بزرگ — ذوقِ صلوٰۃ جن کو ہے اور تابِ صبر ہے

۱۵۴۳
ہرچند کہ ہے مس کا لونڈر بھی بہت خوب — بیگم کا مگر عطرِ حنا اور ہی کچھ ہے
سائی کی بھی سن سن ہوس انگیز ہے لیکن — اس شوخ کے گھونگھرو کی صدا اور ہی کچھ ہے

۱۵۴۴
ان عزیزوں کا عمل اکبر محلِ غور ہے — کہہ رہے کچھ اور ہیں اور ہو رہا کچھ اور ہے
مختصر حالت یہ ہے انکا مدارِ زندگی — مذہبی ترکیب باقی ہے نہ سوشل طور ہے
قیمت کو تر سے بڑھکے دیتے ہیں مٹی کے دام — بے حسی کا میکدہ ہے غفلتوں کا دور ہے

۱۵۴۵
دل انکے ساتھ ہے کہ خدا جسکے ساتھ ہے — لیکن خبر نہیں کہ خدا کسکے ساتھ ہے

البتہ پیش چشم ہے قانون عافیت	جو نیک اور شریف ہو وہ اسکے ساتھ ہو

۱۵۴ تل کا آٹا ہو تل کا پانی ہے	آب و دانے کی حکمرانی ہے
اِک دا سے کہا مسو نے کم آن	تیری مجھ میں اب روانی ہے

۱۵۴ مشرق میں جو لادیتا پیدا بھی نہ تھے یہ پھندے	چارا ہی مگر کیا تھا فطرت جو یہاں چن دے
جب چاند کی چالاکی گھٹ بڑھ میں نظر آئی	تقدیر نے چمکایا سورج نے دیئے چندے
جو جسکے مناسب تھا گردوں نے کیا پیدا	یاروں کیلئے عہدے چڑیوں کے لیئے پھندے
خم ہو کے ہلال آیا گردوں نے کہا حضرت	ہو جائیے کافر پر چکر تو لگیں چندے

۱۵۴ میزانِ نظر میں ہی قوت تولے	خالی الفاظ کی دکاں کیوں کھولے
اللہ کو مان بے دلیلیں کیسی	اکبر سے کہو کہ خود تو ثابت ہو لے

۱۵۵ حکومت انکی اسی کی مرضی انہی کے سب کام اور دھندے	کہاں کے انگلش کہاں کے ہنبو خدا کی دنیا خدا کے بندے

۱۵۵ عجیب معنی نازک ہیں اس مقولے میں	نظر وسیع جو ہو بندگی میں شاہی ہے
خدا کے ساتھ نہیں ہو تو کچھ نہیں ہو تم	خدا کے ساتھ اگر ہو تو پھر خدا ہی ہے

۱۵۵ واقف ہوں ان بتوں کے مکر و فریب ہیں	سب ہیں دل کے پتھر اور آنکھوں کے رسیلے

۱۵۵ یہ شرک کس سمت میں آخر نکالی جائے گی	آنیوالی نسل کس سانچے میں ڈھالی جائیگی
نفس کی جو ہیں امنگیں مٹیں ہیں تو ایک جوش	تا کجا لیکن یہ موج جوش سنبھالی جائیگی
جھاڑ کر دامن الگ ہو جائیں خاصانِ طریق	ورنہ یہ توفیق بھی دل سے اٹھالی جائیگی
خود پرستوں کو مبارک ہو یہ ایوانِ رفیع	دل شکستوں میں کوئی مسجد بنالی جائیگی
ان ہلتوں نو بنسے نہ سنبھلے گی نئی سقف حرم	خط ترسا پر اگر بنیاد ڈالی جائیگی

۱۵۹ میری نسبت جو ہوا ارشاد وہ میں نے سنا	یہ تو کہئے اپنی نسبت آپ کی کیا رائے ہے

۱۵۵۵ اے شوقِ وضعِ مغربی در ما فگندہ تبری — ہر چند مشقت می کنم لیکن تو زناں بالاتری
شیخم شہیدِ جلوہ ہا افتادہ در کمپِ شما — باشد کہ از بہرِ خدا سوئے سہیلدن بنگری
سحرِ نگاہت ناز من مرکوز طبعت راز من — ہر نغمات بر سازِ من حقا عجائب دلبری
تو سینہ گشتی دل شدم تیچر شدی پیوپل شدم — تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری
ہر چند با تو بستہ ام از طعن اکبر خستہ ام — للہ لطفے خاص کن پیدا بحق بیچری
آن را کہ تا جر دیدہ نازی از و بشنیدہ — شد نوکری فنِ پدر اردو زبانِ مادری
اے بانوئے خلوت نشیں تا کے بہ قیدِ آن و این — از پردہ بیروں آ ببیں نازِ زنانِ لشکری

۱۵۵۷ اعزاز بڑھ گیا ہے آرام گھٹ گیا ہے — خدمت میں ہے وہ لیڈی اور ناچنے کو ریڈی
تعلیم کی خرابی سے ہو گئی بالآخر — شوہر پرست بی بی پبلک پسند لیڈی

۱۵۵۸ آپ اکبر لاکھ مشقِ خوش کلامی کیجئے — کتنا ہی اظہار اعزازِ دوامی کیجئے
دوستی کی آپ سے فرصت نہیں اس شوخ کو — یا کھسکئے سامنے سے یا غلامی کیجئے

۱۵۵۹ کہاں ہم میں جماعت اور طاعت — شکستہ ہو گئے سابق کے رشتے

نہیں ہے کچھ شکایت لیڈروں کی — کہ جیسی روح ہے ویسے فرشتے

۱۵۶۰ کل برگد تھا جن کا براتی — انکی قبر پہ پھول نہ پاتی
عبرت ہے یہ دوہا گاتی — سنتر پوت بھتر ناتی [illegible]

۱۵۶۱ ہندو کے اتفاق کو گنگا ہی گائے ہے — مرزا کے اتفاق کو مجلس کی رائے ہے
البتہ شیخ جی کا کوئی مرکز اب نہیں — ہم پیر ہر جواں کی جدا گانہ رائے ہے

۱۵۶۲ لات و عزیٰ سے چھٹے تو زید و خالد میں پھنسے — فائدہ کیا خلق کو پہونچا درِ اسلام سے
انتظامِ دہر کہتا ہے کہ یہ اک بھید ہے — کام رکھ تو اپنے دل میں بس خدا کے نام سے

۱۵۷۱
پاس انفاس ہو اگر تجھ کو — ہر نفس راہ کامرانی ہے
سانس لینے کا ورنہ کیا حاصل — صرف اک شغل زندگانی ہے

۱۵۷۲
عاشقی انکی نہیں ہے عقل سے بالکل جدا — اہل دل وہ بھی ہیں لیکن دل بدن کے ساتھ ہے
وہ نہیں ہیں میر چاک جیب و داماں تا بکے — ہے جنوں انکو بھی لیکن پیرہن کے ساتھ ہے
آہوئے رعنا دشت ہو کے وہ قائل نہیں — آنکھ انکی آہوئے دشت ختن کے ساتھ ہے
مجھکو الجھانے کو کافی ہو گئی سنبل کی شان — جوش سودا انکا زلف پرشکن کے ساتھ ہے
یہ نہیں تو کچھ نہیں باتیں ہی باتیں ہیں فقط — ہر زباں اپنے جدا طرز سخن کے ساتھ ہے

۱۵۷۵
جسنے یہ بات کسی اور طرح جانی ہے — اسکے نزدیک یہ بے شک ہو لاثانی ہے
جسنے اشعار ہی میں رنگ تصوف دیکھا — وہ بھی کہدیگا یہ اک زندگی روحانی ہے

۱۵۷۶
بس اتنی بات ہے سامع میں ہے مذاق سخن — مجال کیا کہ مرے شعر پہ اچھل نہ پڑے
اب اپنے وعظ میں دنیا سے دل کسی کا نہ پھیر — قلی گدام کی عیدی میں تا خلل نہ پڑے

۱۵۷۸
خوب اک ناصح مشفق نے یہ ارشاد کیا — بزم میں اسنے تعلی جو کچھ اکبر کی سنی
نہ تری فوج نہ شاگرد نہ پیسہ نہ مرید — نہ تو ارسطو ہے نہ سقراط رشی ہے نہ منی
کس نگینے میں ترے نقش کے آثار عیاں — نوٹ بک تیری شکستہ تری پنسل ہے گھسی
فکر سے ذکر سے عبرت سے تجھے کام نہیں — واہ وا کیلئے لفظوں کی دکاں تو نے چنی
طبع میں تیری رہی خواہش حرص و دنیا — آتش خوف خدا سے نہ جلی ہے نہ بجھی
خود پرستی ہے بہت خلق کی خدمت کم ہے — دل دہی کم ہے تو ہے دل شکنی چار گنی
تکیہ بر جائے بزرگاں نتواں زد بہ گزاف — گر اسباب بزرگی ہمہ آمادہ کنی

۱۵۸۰
کتنا ہی ذوق سخن ساز سخن شیبا کسے — کتنی ہی کوئی کسی امر کی تحریک کرے

میں تو کہتا ہوں یہی اور کہوں گا بھی یہی — بات وہ خوب جو اللہ سے نزدیک کرے

۱۵۸۱
کب کہتا ہوں ہیں شیخ معزز نہ رہیں گے — البتہ یہ ہے خوف کہ مرکز نہ رہیں گے
سچ کہتا تھا معمار کسی وقت میں اکبر — اٹھا دو فٹ اب یہ مرے گز نہ رہیں گے

۱۵۸۲
مادہ سب میں ہے تو اک خیالِ خام ہے — اک مذاقِ طبع ہے جس کا تصوف نام ہے
وہ تو ہے معذور جسکے دل میں اسکا ذوق ہو — اس سے خالی جسکا دل ہو اس پہ کیا الزام ہے

۱۵۸۳
تعلیموں کو طبیعت رجکٹ کرتی ہے — جو دل شکستہ ہیں ان کو سلکٹ کرتا ہے
ملا ہوں خاک میں خود اس سبب سے میری نظر — گرا کے قصر کو یہ اِرکٹ کرتی ہے

۱۵۸۴
محنت کی فکر ادھر ہے تردد ہے کام کا — دل میں ادھر ترنگ بھی ہے خودسری بھی ہے
صنعت بھی محو سعی ہے فطرت بھی مستِ ناز — باغِ جہاں میں تیل بھی ہے تیتری بھی ہے

۱۵۸۵
کہاں اردو و ہندی میں زرِ نقد — وہی اچھا ہے جو گنتا منی ہے
مرے نزدیک تو بے سود ہے بحث — میاں ہمدم وہی جیتا منی ہے

۱۵۸۹
حامی ہیں تصوف کا دل و جاں سے ہوں لیکن — ارواح پرستی کو تصوف نہیں کہتے
دنیا کی مجھے فکر ہے غم اسکا نہیں ہے — سن لو کہ تردد کو تاسف نہیں کہتے
پاکیزہ ہوا ڈھونڈتا ہوں سائنس کی خاطر — اس شوق صفائی کو تکلف نہیں کہتے

۱۵۹۱
پارک میں رو کے مالی سے گل لے تو لیا — مال ضائع کرنے کا تمکو ہے مالیخولیا
شیخ کے دامن کو اکبر نے دیا بوسا جو کل — ہمنے برکت کیلئے اک مس کا سایا چھو لیا

۱۵۹۴
قوم پر ممبری کا فیر ہوا — کل جو اپنا تھا آج غیر ہوا
شیخ جی مر گئے کمیٹی میں — عمل میچا خاتمہ بخیر ہوا

۱۵۹۵
اک سر نے تہذیب سے لڑکے کو ابھارا — ایک پیر نے تعلیم سے لڑکی کو سنوارا

۱ مردانہ ۲ منتخب کرنا ۳ تعمیر کرنا ۴ نام اخبار ۵ اڈیٹر

بتلون میں وہ تن گیا یہ سائے میں پھیلی ... پاجامہ غرض یہ ہی کہ دونوں نے اُتارا
کچھ چوڑ تو نہیں کسے ہوئے بال میں نقصان — باقی جو تھے گھر اُنکا تھا افلاس کا مارا
پھر آرہ بنا کمپ میں یہ بن گئیں آیا — بی بی نہ رہیں جب تو میاں بن بھی سدھارا
دونوں جو کبھی ملتے ہیں گاتے ہیں یہ مصرعہ — آغاز سے بدتر ہے سر انجام ہمارا

۱۵۹۷

اگرچہ ہے ذوق تمکنت کا لحاظ رکھتا ہوں سلطنت کا
خدا نے قائم کئے ہیں درجے خیال ہے حدِ منزلت کا
زبان کھولوں تو سوچ لوں گا کہ دل کہاں تک ہے اسکا ساتھی
قدم بڑھاؤں تو دیکھ لوں گا جو منتہا ہے مری سکت کا
میں کب ہوں نغمات دل سے غافل نہیں ہوں سازوں پہ پھر بھی مائل
بُرا جو کھنچ جائے گا کوئی سُر تو لطف جاتا رہے گا گت کا
وہ قوم کی شرط ہی نہیں ہے زباں کہیں ہے مکاں کہیں ہے
ستون ہی جب نہیں میسر تو کیا دکھاؤں میں ٹھاٹھ چھت کا

۱۵۹۸

سنوارے خود آپ ہی نے پتلے اور اُن میں کنجی لگائی غربی
لگے وہ جب ناچنے اُچھلنے کسی کو پھینکا کسی کو پٹکا

(ایک صاحب نے فرمائش کی تھی مگر بعد ملاحظہ خاموش رہے)

۱۵۹۹

کیوں نہ اپنے دل کو ہو اُن سے ملاپ — لاٹ صاحب ہیں ہمارے مائی باپ
انکے حق میں بھی دعا کرتے ہیں ہم — مندروں میں جب کبھی کرتے ہیں جاپ
اُن کی بڑھتی سب مناتے ہیں یہاں — خواہ وہ ہوں خواہ ہم ہوں خواہ آپ
ہر طرح ساماں ہیں آرام کے — کھل گئی ہے ہر طرف ہر شے کی شاپ

ہوگئے روشن [illegible] آسماں — علم جب کا ہوگئی تاروں کی ناپ
ساری دھرتی دب گئی سائنس سے — اُگ گئے یا چھپ گیا دنیا سے پاپ
حضرتِ واعظ ہیں راضی رقص پر — دیر کیا ہے اب پڑے طبلے پہ تھاپ

۱۶۰۰
مہر بیگم صفتِ مسجد مرا درکار نیست — جان بیمہ ہوچکا ہے حاجتِ غمخوار نیست
ہمنشیں من اگر شاعر نباشد گو مباش — با گزٹ کار است مارا منقبت درکار نیست

۱۶۰۲
عجب بے تمیزی ہے اس دور کی — زمانے کو دیکھو اور شیو شیو پکار
پپیہے سے کہتے ہیں پی کو چھوڑ — ضرورت ترقی کی ہے کیو پکار

۱۶۰۴
اونٹ نے برگد میں کل گردن اٹھائی تھی ذرا — ہوچکی تھی اسکو کمسریٹ میں اک مدت دراز
وہ یہ سمجھا تھا مسلّم ہیں ہماری نیکیاں — خوشدلی سے آپ فرمائینگے اُسکو سرفراز
منزلِ مقصود اسکی سجدہ گاہِ خلق تھی — وہ تو تھا اک بارکش اور سالکِ راہِ حجاز
آپ نے ناحق سزاوارِ سزا سمجھا اُسے — آپ اُسے گردن کشی سمجھے جو تھا اک پاک ناز
یا الٰہی ہم غریبوں کا کہاں ہو اب نباہ — بدگماں اُشتر سے جب ہیں حضرتِ انجمن نواز
یورپ کو پالسی میں عجلت کی کیا ضرورت — ہے ملتوی قیامت تقسیم ایشیا تک

۱۶۰۵
یکے ذی علم در اسکول روزے — فتاد از جانبِ پبلک بدستم
بدو گفتم کہ کفری یا بلائی — کہ پیشِ اعتقادات تو پستم
بگفتا مسلمِ مقبول بودم — ولے یک عمر با ملحد نشستم
جمالِ نیچری در من اثر کرد — وگرنہ من ہماں تخمم کہ ہستم

۱۶۰۶
سُنے بزرگوں کو میں نے جانچا نہ پایا بس انکا سانچا — اگرچہ شہر میں نفس بہت ہیں مگر سراپا وہ کیک ہی ہیں

۱۶۱۱
تو ملاوٹ میں ہے مصروف تو پھر کیا یہ خیال — کیوں ہیں تجھ سے بہت سرکش کو شکایت بے حد
کیا نہیں تو نے سنا قولِ [illegible] — دیو بگریزد ازاں قوم کہ قرآں خواند

رباعیات

١٩١٥

کیا فرض ہے یہ کہ ہم ڈھٹائی سے رہیں — لازم کیا ہے بلند ادائی سے رہیں
کافی ہے خدا کی یاد اک گوشے میں — روٹی مل جائے اور صفائی سے رہیں

١٩١٦

اس بت نے کہا کہ تو ہے بے علم و خرد — کھول آنکھ زمانے کے موافق ہو جا
آخر میں کھلا کہ اس کا مطلب یہ تھا — اللہ کو چھوڑ مجھ پہ عاشق ہو جا

١٩١٧

آمادہ حریف ہیں ستانے کے لیے — اور دکھ میں شریک ہونے والا نہ رہا
زندہ ہوں تو مجھ پہ ہنسنے والے ہیں بہت — مر جاؤں تو کوئی رونے والا نہ رہا

١٩١٨

عالم نے یہاں قبول و رد کو جانا — دیکھا دنیا کو نیک و بد کو جانا
عاقل وہ ہے کہ جس نے ہنگام عمل — اپنی قوت کو اپنی حد کو جانا

١٩١٩

اکبر اس باب میں نہ کر فکر بہت — منطق کے گھر میں کچھ نہیں اس کا علاج
مذہب کے قبول میں زیادہ ہیں دخیل — سوشل اثرات اور افتاد مزاج

١٩٢٠

مذموم ہے رمز و طعنہ و کبر و حسد — رکھو یہ روش کہ ہے جو اللہ مدد
ہم رنگ ہے ارتباط با صدق و صفا — بے اصل سے احتراز بے کینہ و کد

١٩٢١

اکبر کیلئے زبان درازی ہے بری — روٹی نہ ملے تو غل مچانا جائز
اس وقت میں ہے یہی نصیحت اچھی — اس ساز پہ ہے یہی ترانا جائز

١٩٢٣

سمجھیں نہ حضور کھدر والوں کو حقیر — انجن تو یہی ہے جس کی ہم سب کو ہے آس
اسٹیشن گو زنک ہے یہ فسٹ و سکنڈ — بعد اس کے موافق عمل ہوگا کلاس

١٩٢٥

دنیا کی ہوس دھرم کا لیتی ہے جو رنگ — دقت ہوتی ہے جاتری ہوتے ہیں تنگ

گنگا جی کا بہاؤ تو یکساں ہے — آفت ہے مگر پراگ والوں کی بجنگ

۱۶۲۶
مذہب کا معاشرت سے ہو ربط کمال — دونوں جو ہوں مختلف تو آرام محال
پہلے یہ مسئلہ سمجھ لیں احباب — بعد اسکے رفارم کا کریں دل میں خیال

۱۶۲۷
انداز سلطنت کو یک قلم بھولی قوم — ہے سالک راہ غیر معمولی قوم
جمعیت دین و دل سے کچھ کام نہیں — قومی اسکول ہے اور اسکولی قوم

۱۶۲۸
میں ہوں یا آپ جناب سب برہم — دنیا کی روش سے سب ہیں درہم برہم
بے تاب ہو زخم ہائے دل سے مشرق — یارب تری رحمتیں نہیں اب مرہم

۱۶۲۹
قرآن و حدیث میں ہے ڈھونڈا [illegible] — چسپاں ہو مگر یہ اس کا مضمون کہاں
گھر پہلے بنا کے خانہ داری سیکھا — قسمت ہی نہیں ہے جب تو قانون کہاں

۱۶۳۱
میں کب کہتا ہوں وہ مسلمان نہیں — سب ہیں پکے ہوئے ہیں ایمانی ہیں
میں تو اتنا ہی کر رہا تھا دریافت — قومی ہیں کہ مذہبی کہ روحانی ہیں

۱۶۳۲
فطری خوبی ہے مبتلا فالج میں — بلبل تو داخل ہے میوزیکل کالج میں
داخل ہیں نوائے ساز کی کس کو خبر ہے — رعشہ ہر سُر کو ہے مگر خارج ہیں

۱۶۳۴
پابند اگرچہ اپنی خواہش کے رہو — لائل سبجکٹ تم برٹش کے رہو
قانون سے فائدہ اٹھانا ہے اگر — حامی نہ کسی اب سازش کے رہو

۱۶۳۵
ہیں انکی جبیں اور بتوں کی درگاہ — ہیں شرک خفی میں مبتلا شام و پگاہ
کسکو یہ خیال ہے کہ مومن کیلئے — قرآن میں ہے اشد حباً للہ

۱۶۳۶
منکر کے خیال میں پریشانی ہو — اسکا منشا فقط ہوس رانی ہو
دنیا فانی ہو وہ بھی ہے اسکا مقر — لیکن نہ سمجھ سکا کہ کیوں فانی ہو

[illegible] مشرقی

۱۶۳۸

روشن سینے میں شمع ایماں کر دے
دل تیری طرف ہے وہ ساماں کر دے
دنیا سے بے خبر ہے [illegible]
یا رب اکبرؔ پہ زیست آساں کر دے

۱۶۴۰

اک روز بھی تارک تگ و دو نہ ہوئے
فارغ از بحث گندم و جو نہ ہوئے
جمعیت دل کہاں حریصوں کو نصیب
ننانوے ہی ہے کبھی سو نہ ہوئے

۱۶۴۱

ہر اک سے سنا نیا فسانا ہم نے
دیکھا دنیا میں اک زمانا ہم نے
اول یہ تھا کہ واقفیت پہ تھا ناز
آخر یہ کھلا کہ کچھ نہ جانا ہم نے

۱۶۴۴

ظاہر تری حکمت نہفتہ ہو جائے
بیدار ہمارا بخت خفتہ ہو جائے
گھبرایا ہوا ہے دل ہمارا یا رب
بھیج ایسی ہوا کہ وہ شگفتہ ہو جائے

۱۶۴۵

ہر ساعت رخت بستہ دنیا میں رہے
مغموم و ملول و خستہ دنیا میں رہے
عاشورہ ہے ہر روز پس از قتل حسین
مومن اب دل شکستہ دنیا میں رہے

۱۶۴۶

دیکھا قدرت کا کارخانا ہم نے
علمی طاقت کو پست جانا ہم نے
از بسکہ ضرور تھا کوئی طرز عمل
نبیوں نے جو کچھ کہا وہ مانا ہم نے

۱۶۴۷

جب نور یقیں نہیں بصیرت کیسی
طاقت ہی نہیں دلوں میں ہمت کیسی
اسلام نئی روش میں کیا ہو یک رخ
مسجد ہی نہیں تو پھر جماعت کیسی

مثنویات

۱۶۵۰
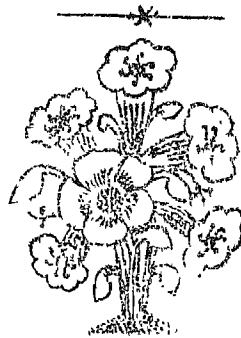
دور کوہ لب ساحل سے جو گزری اک موج | کوہ نے ہنس کے کہا تو نے نہ دیکھا مرا اوج
مجھ سے ملنے تجھے جانا تھا برائے دم چند | بولی دریا کا کبھی کرتے نہیں ساکن کو پسند
ہیں تجھے آپ اگر اپنی جگہ سے ہی ملال | اپنی رفتار میں کیا فائدہ ڈالوں میں خلل
ہنس کے اس بحث پہ بولا کسی جانب سے حباب | پوچھئے موج سے ہی کچھ ہے رک جانے کی تاب
اپنے بس ہی میں نہیں ہے یہ تعلّی کیسی | اضطراری ہے روش شانِ ارادی کیسی
ہاں مگر سوچ یہ کہہ کر کہ ہم مغرور نہیں | تجھ میں اے کوہ مگر روشنیِ طور نہیں
بلبلا ٹوٹ گیا کوہ بھی خاموش رہا | رہی حیرت رہی دریا کا وہی جوش رہا

۱۶۵۲

آزادی کا شور مبارک | یہ تقلیدی زور مبارک
میرا تو ہے اور ہی منظر | میں تو یہ کہتا ہوں اکبر
عارف کو بیہوشی زیبا | عاقل کو خاموشی زیبا

۱۶۵۳

میں بھی گریجویٹ ہوں تو بھی گریجویٹ | علمی مباحثے ہوں ذرا پاس آ کے لیٹ
دونوں نے پاس کر لیے ہیں سخت امتحاں | ممکن نہیں کہ اب ہو کوئی ہم سے بدگماں
بولی یہ سچ ہے علم بڑھا جہل گھٹ گیا | لیکن یہ کیا خبر ہے کہ شیطان ہٹ گیا

۱۶۵۴

کہتے تھے سابق میں سب اہل خرد اچھے حضور | اس مقولے کو مگر بدلیں گے اب اہلِ شعور
زیر پا ہے ریلوے اور سر پہ ہے انجن کی گھٹا | اب یہ کہنا چاہیے نیچے بھی آپ اوپر بھی آپ

۱۶۵۵

مشرق کو ہے ذوقِ روحانی | مغرب میں ہے میل جسمانی
کہا منصور نے خدا ہوں میں | ڈارون بولے بوزنا ہوں میں

ہنس کے کہنے لگے مرے اک دوست — فکرِ ہر کس بقدرِ ہمتِ اوست

ورزش بازی

۱۲۵۶

جب اک بھائی تھے اس منصب پہ ممتاز — تو پھر کیوں آپ نے کی جست و پرواز

لگے کہنے کہ ہمنے وہ تھے پسند — مرا کیا بس مریداں مے پرانند

۱۲۵۷

درخت جڑ پہ ہے قائم تو استوار بھی ہے — کبھی خزاں ہے اور اس پہ کبھی بہار بھی ہے

خلاف اسکے کرے گی خرد جو بے صبری — نہیں اٹھانے کا پھر حکومتِ جبری

جو کوئی چاہے کہ قائم کرے نئی بنیاد — تو برگ و بار نہ اور درخت بھی برباد

بنائے عظمتِ قومی ہے فطرتی اے یار — اسی بنا سے ہے وابستہ ہر خزان و بہار

خیال وسعتِ ملت کا جسپہ ہے غالب — طریق راحتِ ذاتی کا وہ نہیں طالب

طریق حکمت و تزئیں ہر ایک رنگ میں ہے — نہ سمجھو یہ کہ فقط مغربی ہی ڈھنگ میں ہے

نگاہ غور کرو سوئے ترکی و ایران — یہی بنا پہ حریفوں نے کر دیا ویران

تمھارے دل میں یہ کیا وہم کیا گمان آئے — تمھارے جسم میں کیوں دوسرے کی جاں آئے

جو تو نے بنا کا اپنے ساتھ چھوڑ دیا — تو دستگیر نے تیرا بھی ہاتھ چھوڑ دیا

جو بات ٹھیک ہو کہتا ہوں میں اسے قبول کر — کہ سلطنت نہ سہی تم رہو تو قل قل کر

۱۲۵۸

سمجھا رہے تھے مجھکو فلک کی وہ گردشیں — خود کر رہے تھے تاک کی ٹٹی سے سازشیں

نقشے میں دیکھتا تھا وہ پیتے تھے جامِ مے — میں نے کہا حضور یہ مضمون عجیب ہے

ہیں خود تو مست بادۂ عشرت کے خم سے آپ — الجھا رہے ہیں مجھکو ستاروں کی دم سے آپ

بولے کہ اس زمیں میں کوئی اور شعر بھی — میں نے کہا یہ بات مرے ذہن میں بھی تھی

اللہ رے ارتقائے سگانِ درِ حضور — کل تو سے تم ہوئے تھے ہوئے آج تم سے آپ

ہنس کے کہا انھوں نے الٹ بحث کا ورق — گانے لگے وہ گیت میں پڑھنے لگا سبق

١٦٥٩ خامشی ہے نہ تعلق ہے نہ تسکین کا ذوق — اب کسی میں نہیں پاتا ہوں میں اسپیچ کا شوق

شان سابق سے یہ مایوس ہوئے جاتے ہیں — بت جو تھے دیر میں ناقوس ہوئے جاتے ہیں

١٦٦٠ جب نکیرین آئے مری قبر میں بہر سوال — میں نے چاہا کہ لکھ دوں انھیں اپنا حال

ہاتھ پاکٹ میں جو ڈالا مجھکو حیرت ہوگئی — یعنی تھی جو نوٹ بک وہ اس سفر میں کھو گئی

کہدیا میں نے کہ بس اب ہر طرح معذور رکھو — رہ گئی دنیا میں میری نوٹ بک مجبور ہوں

١٦٦١ منشی کہ کلرک یا زمیندار — لازم ہے کلکٹری کا دیدار

ہنگامہ یہ ووٹ کا فقط ہے — مطلوب ہر اک سے دستخط ہے

ہر سمت مچی ہوئی ہے ہلچل — ہر در پہ یہ شور ہے کہ چل چل

ٹم ٹم ہو کہ گاڑیاں کہ موٹر — جس پر دیکھو لدے ہیں ووٹر

شاہی وہ ہے یا پیمبری ہے — آخر کیا شے یہ ممبری ہے

نیٹو ہے نمود ہی کا محتاج — کونسل تو انہیں کی ہے جنکا ہے راج

کہتے جاتے ہیں یا الٰہی — سوشل حالت کی ہے تباہی

ہم لوگ جو اس میں پھنس رہے ہیں — اغیار بھی دل میں ہنس رہے ہیں

در اصل نہ دین ہے نہ دنیا — پنجرے میں پھدک رہی ہے مینا

اسکیم کا جھولنا وہ جھولیں — لیکن یہ کیوں اپنی راہ بھولیں

١٦٦٢ قوم کے دل میں کھوٹ ہے پیدا — اچھے اچھے ہیں ووٹ کے شیدا

کیوں نہیں پڑتا عقل کا سایہ — اسکو سمجھیں فرض کفایہ

بھائی بھائی میں ہاتھا پائی — سلف گورنمنٹ آگے آئی

پاؤں کا ہوش اب فکر نہ سر کی — ووٹ کی دھن میں بن گئی پھرکی

۱۶۶۳
ہاون تو یہی ہوس کا دستہ ہے پالسی کا — لیکن ادھر تصور جاتا نہیں کسی کا
ہیں کوفت لیکن اس پر مسرور ہو رہے ہیں — ہر سو اچھل رہے ہیں اور چور ہو رہے ہیں
اس قبلہ رو جماعت کا انتشار دیکھو — اس باغ میں خزاں کی اکبر بہار دیکھو
لکھے گا کلکِ حسرت دنیا کی ہسٹری میں — اندھیر ہو رہا ہے بجلی کی روشنی میں

۱۶۶۴
یہیں کے پیدا یہیں کی رنگت یہیں کی بولی یہیں کا کھانا
تو پھر تفاوت ہو کیوں ثمروں میں ہر اک کو بہتر ہے ویسی گانا
رہے فرنگی سو اُن کی سیوا ہر ایک پر آپ فرض کر دیں
جو خاص مطلب ہوں اپنے اپنے الگ جا کے عرض کر دیں
جو باہمی بحث ہو تو باہم ہم اس پہ قال اقول کر لیں
جو فیصلہ ہو قبول کر لیں جو خار رکھی ہو تو پھول کر لیں
برادرانہ محبتیں ہوں جھیں مزے سے خوشی منائیں
نہیں ہے اس میل کا یہ مطلب کہ ہم گورمنٹ کو ستائیں

۱۶۶۵
نیچر کو ہوئی خواہش زن کی اور نفس نے چاہا رشک پری
شیطاں نے دی ترغیب کہ ہاں لذّت تو ملے زانی ہی سہی
نیچر کی طلب بالکل ہے بجا اور نفس کی خواہش بھی ہے روا
شیطان کا ساتھ البتہ برا اور خوفِ خدا ہے اسکی دوا
نیچر کی تو حد میں تقویٰ ہے اور نفس پہ کچھ الزام نہیں
ہاں ساتھ اگر شیطان کا ہو تو نیک ترا انجام نہیں

١٦٦٦
دراصل نفس کی چالاکیاں سکھاتی ہیں
جو دیکھیے تو دکھاوے کی سب یہ باتیں ہیں
نہ قوم کی تجھیں الفت نہ قوم کا ہے وجود
فقط یہ پولٹیکل ابجرات کا ہے صعود
تمہارے سامنے کچھ مغربی ضوابط ہیں
یہ اسم و فعل نہیں ہے فقط روابط ہیں
نہ قوم ساتھ تمہارے نہ تم ہو قوم کے ساتھ
تمہارا پیٹ تمہارا اسمٰہ اور تمہارا ہاتھ
خدا پرست کے تیور ہی اور ہوتے ہیں
خطا معاف وہ جوہری اور ہوتے ہیں

١٦٦٧
کسی درجے میں دنیا کے اگر کوئی معزز ہے
سمجھتا ہے کہ یہ اعزاز ہی بس میرا مرکز ہے
مگر ایسا سمجھنا ہے سراسر اسکی نادانی
وہ عزت اک تماشا ہے وہ حالت اسکی ہے فانی
پناہِ نفس بیشک ہے مگر مرکز نہیں دل کا
اسی پہ مطمئن رہنا نہیں ہے کام عاقل کا
وہ کہتا ہے کہ دل کیا چیز ہے بس نفس کی خواہش
وہ کہتا ہے کہ باطن کیا فقط اعضا کی ہے سازش
مگر یہ اسکی نادانی ہے کم فہمی کی ہیں باتیں
یہ بے عقلی کے دن ہیں ورنہ یہ غفلت کی ہیں راتیں
بشر اک نوبتِ ہستی میں جب مایوس ہوتا ہے
حقیقت اپنی کھلتی ہے دل محسوس ہوتا ہے
اگر یادِ خدا مرکز ہے تسکین اسکو ہوتی ہے
دگرنہ بیکسی میں جان اندر تن کے روتی ہے

١٦٦٨
ایمان پہ دل قائم جو رہا پیدا ہوئی آخر تسکین کوئی
بالکل ہی سکون تھا اپنے نہ ہو پھر دائرہ تحقیق کہاں
ہر بات پہ جسنے شک ہی کیا وہ صرف پریشان ہوتا تھا
پرکار سے نقش اسوقت بنا اک جزو جب اسکا ساکن تھا

١٦٦٩
مخلوق ہی کا محو یہ ہے رب کا ذکر کیا
مطلب ہی کا غلام ہے مذہب کا ذکر کیا
غیرت نہیں ہے تو ایمان ہو چکا
انسان ہی نہیں ہے مسلمان ہو چکا

١٦٧٠
خس کی یہ قدرت ہے جو لوگ ساتھ ہم ہیں
موجیں یہ کہہ رہی ہیں قدرت کے ہاتھ ہم ہیں
دریا رواں ہیں ہر سو چشمے اُبل رہے ہیں
جس راہ لگ گئے ہیں اس راہ چل رہے ہیں

١٦٧١
غم سے عبرت کا نور حاصل ہو
غم نہایت مجلیِ دل ہے

غم سے مطلب نہ غم جو داغ بنے — نہ وہ جو رسم کا چراغ بنے

۱۶۸۱ — مذہب ہی امر قومی سمجھو نہ فعل ذاتی — معذور سب ہیں اسمیں گنگو ہوں یا وفاتی
شیعہ ہوں خواہ سنی لالہ ہوں یا برہمن — مذہب کو مورثوں سے سب پاتے ہیں عموماً
پولٹکل ضرورت بیشک تھی اس کی اول — اب اس طرف توجہ لازم ہے صرف سوشل
اچھا برا نہ کہہ دو تم مذہبی بنا پر — اخلاق اسکے دیکھو اصلی تو یہ ہے جوہر
تعلیم ہے جو عمدہ صحبت اگر ہے اچھی — پاؤ گے اسکو اچھا طینت اگر ہے اچھی
ناری ہو یا کہ ناجی اسکا بیاں نہیں ہے — سوشل طریق یہ ہے اور وہ تو راز دیں ہے

۱۶۸۳ — جناب فاطمہؓ کے مرتبے کا کیا کہنا — ہمیشہ چاہیے آپ پر درود خواں رہنا
جناب حیدر کرار کی وہ ہیں بی بی — حسنؑ حسینؑ کی ماں ہیں رسول کی بیٹی

۱۶۸۴ — ذرے ہیں چند جنکو صنعت ابھارتی ہے — اک خاک عبرت آگیں لیکن پکارتی ہے
اس انجمن میں ہم بھی اک رات جل چکے ہیں — تم شمع بن رہے ہو اور ہم پگھل چکے ہیں

۱۶۸۵ — ہر طرح راحت تھی مجھکو دانت سے — قافیہ آن کا ملا تھا آنت سے
صحت اب بگڑی تو ان میں درد ہے — اس طرف دیکھو تو معدہ سرد ہے
خواب راحت کسکو کھانا کون کھائے — رات بھر کرتا رہا ہوں ہائے ہائے
درد کے آگے رہا منجن بھی گرد — مصطگی بھی رہ گئی با روئے زرد

۱۶۸۷ — یوں تو دونوں ہی ہیں مصروف عبادت میں مگر — ایک نکتہ ہے نظر چاہیے جس پہ اکبر
اہل ظاہر تو فقط حکم خدا پاتے ہیں — اہل باطن تپش دل کی دوا پاتے ہیں

۱۶۸۸ — بے حد اس بات سے ہوں جلتا — مجھ سے مرا دل نہیں بہلتا
ہے شوق سوسائٹی میں مستی — کیا خاک ہے یہ خدا پرستی

عزلت سے پناہ چاہتا ہوں — گپ شپ ہی کی راہ چاہتا ہوں
اللہ کے واسطے جو ملتے — بے شبہ گل مراد کھلتے

۱۶۹۰ کہاں کا گیان اور دھیان کیسا خدا کہاں کا کہاں کی وشنو
عمل کے بدلے اسی کا فل ہے یہیں وشنو بہیں وشنو

۱۶۹۲ صدائے فونوگراف بشنو ببیں تماشائے لمپ برقی
ز سینہ و دل مجو تجلی خموش شو کن شمع ہائے شرقی

۱۶۹۳ رہنما باطن کا ہو کوئی خضر یہ خوب ہے — اس خضر پہ سب سے لڑنا یہ مگر معیوب ہے
اپنے اپنے خضر سے ہر ایک رکھے دل کو شاد — نام ہے اللہ واحد کا برائے اتحاد

۱۶۹۴ اک اٹھا کشور کشائی کے لیے — اک اٹھا حق کی صفائی کے لئے
جنگ میں بیا رہی لقصۂ غرق — ہاں سکندر اور موسیٰ کا ہے فرق

۱۶۹۵ حافظِ شیراز کا کیا پوچھنا تھے خوش بیاں — انکا یہ مطلع ہے اب تک انجمن میں بر زباں
دوش از مسجد سوئے میخانہ آمد پیر ما — چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما
حضرتِ اکبر بھی لیکن اس زمانے میں ہیں فرد — انکا یہ مطلع کوئی پڑھتا تھا کل با آہ سرد
دوش از صحنِ حرم آمد بہ کالج قوم ما — دیدنی گردیدہ است اکنون صلوٰۃ و صوم ما

۱۶۹۶ ایک ہی موج قضا میں عقلمندیں بہ جائینگی — سرکشوں کی گردنیں اپنی جگہ رہ جائینگی
ساقی بزم فنا کا لب پہ کپ آنے تو دو — سر کی اڑ جائیگی قلعی وہ تپ آنے تو دو

۱۶۹۷ بدن ظاہر ہوا اور توحید دل میں — توہم اچھے ہیں اپنے آب و گل میں
شگفتہ رکھے گی ہمکو طہارت — جھکا ہی دیگی دل طاعت یہ وحدت

۱۶۹۸ اسکا گھوڑا جس کی کاٹھی — بھینس اسی کی جس کی لاٹھی

زور بٹھائے ٹھائے ٹھانے — دنیا دیکھے دنیا مانے
تجھکو تو ہے حنا کی چھینا — اس سے اچھا ہر کو جینا

۱۶۹۹ غلط بالکل یہ دعویٰ ہے خدا کو جان سکتے ہیں — مگر یہ صاف ظاہر ہے خدا کو مان سکتے ہیں
تعجب کیا اُسے محدود ہستی نے نہیں جانا — تعجب ہے اگر محتاج ہستی نے نہیں مانا

۱۶۰۰ دسمبر میں وہ دوڑے بے تحاشا — لگا ہونے ترقی کا تماشا
زباں گنجینۂ لفظی میں لٹ کھٹ — چلی اسپیچ کے میداں میں بگٹٹ
ہوئی جب جنوری رو کر کی طالب — رپٹ لکھوا گیا قومی محاسب
مفاعیلن مفاعیلن فعولن — مفاعیلن مفاعیلن فعولن

۱۶۰۱ قوتِ طبع اگر صرف کرو اے اکبر — تو فقط دشمنِ توحید پہ لازم ہے نظر
کیوں پئے طعن کسی مسلم بدنام کو ڈھونڈھو — بحث کرنا ہے تو بیگانۂ اسلام کو ڈھونڈھو
باہمی کش مکش و طعن کا ہنگام نہیں — کیدِ اغیار سے مسلم کو جب آرام نہیں

۱۶۰۴ اتحادِ مذہبی اہلِ جہاں میں ہے محال — بہرِ اصلاح انتظار اسکا ہے اک وہم و خیال
اختلافِ باہمی سے چاہیئے قطعِ نظر — ورنہ دخلِ غیر سے ہرگز نہ پاؤ گے مفر
لعن و طعن آپس میں سمجھو عقل و مردی کے خلاف — عادتیں ہیں یہ بُری ہیں سب کو تم رکھو معاف
ہاں عمل اُس پر کرو جسکو کہ خود سمجھو صحیح — محترز اس سے رہو جسکو غلط سمجھو صریح
زور سے دبتی ہے دنیا یہ نہیں تو کچھ نہیں — علم سے چلتا ہے کہنا یہ نہیں تو کچھ نہیں

۱۶۰۵ ہو جاؤ کھڑے کہیں جو قوم ہو — بیٹھے جو رہیں فنا ہی ہو
آنرا کہ قیام یا قعود است — بگذار کہ قائل سجود است

[illegible] پُر عزم تراشی سے دمساز ہو کیونکر کوئی — اسباب نہوں جمع تو دمساز ہو کیونکر کوئی

اسباب کرے جمع خدا ہی کا ہے یہ کام — طالب ہو خدا ہی سے دعا ہی کا ہے یہ کام
بے طاعت و نیکی نہیں تاثیرِ دعا کچھ — آنے کی نہیں کام فقط حرص و ہوا کچھ
منظور اگر کبر و تفاخر کا سبق ہے — تخصیص تری کیا ہے حریفوں کو بھی حق ہے
یہ کشمکشِ فطرتِ دنیا ہے مسلسل — اک آج اگر صاحبِ طاقت ہے تو اک کل
نیکی کی طرف رُخ ہو یہی ناموری ہے — کھوٹے کو جدا کر دے وہی بات کھری ہے

1609
ہیں جو کمزور وہ قاضی سے مدد مانگتے ہیں — اور جو ہیں کور وہ ماضی سے مدد مانگتے ہیں
مردِ بینا کو فقط ارض و سما کافی ہے — یہی نظارہ پئے یادِ خدا کافی ہے
یاد رکھو کہ یہی ملّتِ ابراہیمی — اتنا ہی کہہ دیا آواز ہے بہتر دھیمی

1610
آغاز یہ تھا کہ دل بڑھا تھا — جو بت تھا نگاہ پر چڑھا تھا
انجام یہ ہے کہ مر رہے ہیں — اللہ اللہ کر رہے ہیں

1611
راویوں کا اور شاعر کا بتاؤں تم سے فرق — آسمانِ مطلب و معنی پہ دونوں ہی ہیں برق
وہ سنایا کرتے ہیں تم کو کہ کس نے کیا کہا — یہ یہ کہتا ہے کہ مجھ سے میرے جی نے کیا کہا

1612
اگرچہ لوگوں نے لکھا ہے حالِ بعدِ وفات — مگر کوئی بھی نہیں کہہ سکا یقینی بات
جو ٹھیک بات ہے وہ ہم کو ہو گئی معلوم — ہمارے شعر کی دنیا میں مچ گئی ہے دھوم
بتائیں آپ سے مرنے کے بعد کیا ہوگا — پلاؤ کھائیں گے احباب فاتحہ ہوگا

1613
میسر جب آ جائے خوانِ نعیم — تو لازم ہے شکرِ خدائے کریم
بہت ہی یہ بیجا کہ کہہ کر پکاؤ — کہو تم کہ تجھ بن بھی کچھ ہو تو لاؤ

1614
سلف کی بھی تھی ایک اگلی حد — مگر اس وقت کی تھی مختصر حد
بہت کم تھے رسائی کے وسائل — الگ تھے اپنی قوتوں میں قبائل

تو اپنے وقت کا جغرافیہ دیکھ — یہ مضموں اور اپنا قافیہ دیکھ

١٦١٦
ترجمے والے کرتے ہیں محنت — پا لیتے ہیں اپنی اجرت
سینے ہو جاتے ہیں خالی — بھر جاتی ہے الماری
دل کا کورس تو ٹھہرا مغربی — لب پر اردو ہو یا عربی

١٦١٧
ادھر برگد کا ٹلا ہے ادھر مندر کا صوفی ہے — نہ اسمیں بیوقوفی ہے نہ اسمیں بیوقوفی ہے
ادھر وہ بھی اٹھائے ناز ستانِ حکومت کا — ادھر یہ بھی بنا ہے راز پیرانِ طریقت کا
فلک کھولیگا اپنی جب کبھی میدان مردی کا — تو قصہ ختم ہوگا ذہن کی آوارہ گردی کا

١٦١٨
اک مصیبت میں ہے سادھو ہے کوئی یا سیٹھ ہے — ہے تو یہ ساون مگر حکمِ خدا سے جیٹھ ہے
سچ تو ہے گردوں کو راہِ مہربانی کیوں ملے — آگ جب تجھ پہ یہ برسے ہمکو پانی کیوں ملے
یا الٰہی جلد ہو بارانِ رحمت کا نزول — یہ دعا لازم ہے سب کو چھوڑ کر کارِ فضول

١٦١٩
مذہب کے باب میں کوئی کسکو بدل سکے — یہ تو وہ کرسکے کہ جو حس کو بدل سکے
حس امر فطری ہے خدا ہی کی شان ہے — منطق سے پہلے عادت و حس کی اٹھان ہے
میلانِ طبع ہوتا ہے قائم شروع میں — پھر اسکے آگے رہتی ہے منطق رکوع میں

١٦٢٠
اسکے خلاف کچھ جو کہیں ہو وہ شاذ ہے — یا جبر یا وہ مصلحتوں کا نفاذ ہے

١٦٢١
انفلوئنزا چڑھا چوگان بازی اب کہاں — سیلانی ہوئے ہیں اسپ تازی اب کہاں
چارے کی قلت ہوئی تو بیل بھی مرنے لگے — انفلوئنزا ہوا اکثر بیل بھی مرنے لگے
آدمی بھی تنگ ہیں اور جانور بھی زیر ہیں — عقل کی سڑکوں پہ بھی بیجا بیانوں کے ڈھیر ہیں
کیا ٹھکانے گیہوں کی منڈی کیا دکان بیلچے — موت کے دفتر کو بھی بہتر ہو خدا سے لو لگے
ہم پہ چھاپن جو آجائے تو وہ سیدھا کرے — دیوتا بگڑیں تو پھر سرکار اسکو کیا کرے

سب کو لازم ہی دعا مانگیں خدا سے رات دن — حد زیادہ کی نہیں لیکن کم از کم سات دن

۱۶۲۶ ہو اگر اکبر تمھیں شوقِ صراطِ مستقیم — دیکھ لو قرآن میں من یعتصم باللّٰہ کو

۱۶۲۷ یاد آرہی ہے مجھکو موسیٰ کی گفتگو اب — ہوں محو استعینوا باللّٰہ واصبروا

۱۶۴۱ طاعتِ باری سے دلکو شاد رکھ — انَّ وعدَ اللّٰہِ حقٌ یاد رکھ

مہاراجہ کشن پرشاد شاد یمین دکن باد بقا

۱۶۳۷ رحلتِ فرزند سے ہیں راجہ صاحب دردمند — شاد کا دل اس مصیبت سے بہت ناشاد ہے

اکبرِ خونیں جگر اس غم میں ہی خود مبتلا — اُسکے لب پر بھی فغان و آہ ہی فریاد ہے

حرفِ تسکیں و تسلی کیا زباں پر لائے وہ — شاد خود صوفی ہیں انکو درس حکمت یاد ہے

رحمتِ حق پر نظر ہو اور یہی ہے التماس — منزلِ ہستی کی یہ اک فطرتی اُفتاد ہے

دامنِ اشفاقِ خدا کی گود میں پلتا ہے وہ — جنت الفردوس اُسکے دم سے اب آباد ہے

اس تصور میں رہے مہراج کی طبعِ بلند — یعنی اب غلماں پہ شاد آسماں پر شاد ہے

۱۶۳۸ لفظوں میں اجتماع نہ معنی میں نور ہے — ویران آج گوشۂ بین السطور ہے

شبلی کا خامہ صفحۂ ہستی سے اٹھ گیا — اب تو آہ و لوحِ دلِ ناصبور ہے

۱۶۳۹ مشتاق ہے اکبر تجھے رحمت ہے — افسوس یہی ہی کہ دکن دور بہت ہے

۱۶۴۰ شبلی نعمانی ... اب جا ملے ... پاس — شعر و سخن کی بزم نظر آتی ہے اُداس

... سالِ انتقال — پھرنے لگا نگاہ میں یار سخن شناس

۱۳۳۲ ہجری

سر علی محمد صاحب راجہ محمود آباد

ہیں حضرت ساحر آج اک حسن کمال — ہے مخزن حکمت و خرد اُن کا خیال
اشعار اکبر کے کیوں نہوں یاد اُن کو — راجہ کے گھر میں ہے موتیوں کا کیا کال

سید فضل الحسن حسرت موہانی

تھا دلِ حسرت بھرا ارمان میں — ہم نے لکھ بھیجا انھیں ملتان میں
بھائی صاحب رکھ دو تم اپنا قلم — ہاتھ میں لو اب تجارت کا علم
ہو چکی غیروں سے خویشی کی بہار — بس دکھاؤ اب سودیشی کی بہار
کام کرو اٹھو چڑھاؤ آستیں — لا یضیع اللہ اجر المحسنین

اقبال

حضرتِ اقبال میں جو خوبیاں پیدا ہوئیں — قوم کی نظریں جو اُنکے طرز کی شیدا ہوئیں
یہ حق آگاہی یہ خوش گوئی یہ ذوقِ معرفت — یہ طریقِ راستی خودداری یہ تمکنت
اسکے شاہد ہیں کہ اُنکے والدین ابرار تھے — باخدا تھے اہلِ دل تھے صاحبِ اسرار تھے
جلوہ گر اُن میں انھیں کا ہے یہ فیضِ تربیت — ہے ثمر اس باغ کا یہ طبعِ عالی منزلت
مادرِ مخدومۂ اقبال جنت کو گئیں — چشم تر ہے آنسوؤں سے قلب ہے اندوہگیں
روکنا مشکل ہے آہ و زاری و فریاد کو — نعمتِ عظمیٰ ہے ماں کی زندگی اولاد کو
اکبر اس غم میں شریکِ حضرتِ اقبال ہے — سالِ رحلت کا بیاں منظور اُسے فی الحال ہے

واقعی مخدوم ملت تھے وہ نیکو صفات	رحلت مخدوم ملت سید ابن تاریخ وفات
فخر ملت تھے مہدی مرحوم کیوں نہ غم اٹھا ہو اکبر کو	سال رحلت کا مادہ اکبر حزیں پاک نیر لکھو

۱۶۴۴

۱۳۳۰ھ ۱۳۴۳ھ

۱۶۴۶

صدمۂ فرقت میں کر کے مبتلا
آج ہاشم عازم جنت ہوا

قوت بازوئے عشرت چل بسی
اور مرا نور نظر رخصت ہوا

چوک کی مسجد الہ آباد میں ممتاز ہے
شہر میں سارے مسلمانوں کو اعزاز ہے

وسعت و رفعت میں تھی محسوس لیکن کچھ کمی
تنگ ہوتی تھی جگہ جب ہوں زیادہ آدمی

دین میں راسخ ہیں عابد لکافی نیکو صفات
انکی باتوں میں اثر انکے ارادوں میں ثبات

کی انھیں نے سعی دل سے اور لگائی حق سے لو
ہو گئی آخر خدا کے فضل سے تعمیر نو

ہو گئی کافی جگہ اسلام کے اقبال سے
کہہ رہی ہے مسجد اب اپنی زبان حال سے

مسجد کافی کی شان آسمانی دیکھئے
خاکساروں کی بلندی کی نشانی دیکھئے

مرثیہ ہاشم مرحوم

۵- جون ۱۹۱۳ء

۱۶۵۰

آغوش سے سدھارا مجھ سے یہ کہنے والا
ابا سنائیے تو کیا آپ نے کہا ہے

اشعار حسرت آگیں کہنے کی تاب کس کو
اب ہر نظر ہے نوحہ ہر سانس مرثیا ہے

آگرہ میں مقدمہ ہوا تھا

(ایک میم نے شوہر کو زہر دیا ایک صاحب نے اپنی میم کو قتل کیا)

۱۶۵۲

حال مسز کلاک و مسٹر فلم کھلا
تھا کل بیان پیش عدالت کھلم کھلا

اُسکو کیا قتل اور اُسکو پلایا زہر
تہذیب مغربی کی یہ تکمیل اور پھر

پردے پہ اعتراض ہوا اور زہر دوا
پائیلٹ نام پہ طعن ہوا اور یہ ستم روا

لاکھوں مقدمات ہوئے بعض کھل گئے — گذرا زمانہ باد کے دامن سے دھل گئے

فتنے کا ہے قصور نہ مفتون کا قصور — سب کچھ ہے یہ خرابیٔ قانون کا قصور

پردہ نہیں طلاق ہے آسانیاں نہیں — جائز کہیں تعدد ازدواج یاں نہیں

فطرت کا اقتضا جو ہے کس طرح وہ رکے — پھر کیوں گناہ جرم کی جانب نہ دل جھکے

آسان ہو طلاق تو دل شاد کیجئے — بے قتل غیر اپنا گھر آباد کیجئے

پردہ جو ہو تو ایسے مواقع بھی کم ملیں — کیوں نرم ہوں یہ شوخ نگاہیں جو کم ملیں

قانون میں روا ہو اگر دوسرا نکاح — پھر کیوں یہ قتل زوجۂ اولیٰ کا ہو مباح

جب پردہ و طلاق و تعدد روا نہیں — پھر بدمعاشیوں کے سوا کچھ روا نہیں

جانیں ہزاروں جاتی ہیں بچے بلکتے ہیں — مستانِ ہر جگہ سے بھلا کب سرکتے ہیں

مغرب کا دل جو خواہرِ مشرق کے ساتھ ہو — یہ بھی مگر وہاں نہیں اُن کیلئے ملتی ہاتھ ہے

اکثر یہی ہے حالتِ قانونِ مغربی — آزادیوں کی قید میں روح انکی ہے پھنسی

بس ظاہری نمود و چمک اور ادا میں ہے — دل کی خبر نہیں ہے کہ وہ کس ہوا میں ہے

لکچر ہے اس طرف تو ادھر بہشتی بھی ہے — اس سمت ناچ ہے تو ادھر خودکشی بھی ہے

تعلیم عورتوں کی ضروری ہے لاکلام — لیکن جو یہ اثر ہے تو بس دور سے سلام

ہم کو کمال شوق سے تعلیم دیجئے — لیکن کچھ اپنے گھر کی بھی اصلاح کیجئے

ہم فائدہ اٹھائیں گے مغرب کے راج سے — لیکن پناہ مانگیں گے ایسے رواج سے

(حسب فرمائش محمد عبدالرشید صاحب رزو سوداگر دہلی)

دماغ کیلئے خوشبو کا کھیل اچھا ہے — ہوا کی سمت بولی کہ تیل اچھا ہے ۱۵۵۴

اِم آر آرزو کی یہ ترکیب دیکھئے — بیٹو کو انگریز چھاپے میں مسطر بنا دیا ۱۵۵۵

تاثیر میں سفید ہوئے کا تیل تھا — خوشبو میں بھی اب ڈھکو لیونڈر بنا دیا

(دو لیلی نہیں ہے)

۱۷۵۷ — الف دین نے خوب لکھی کتاب — کہ ب دین نے پائی راہِ صواب

بست روزہ پسر سید حسین صاحب کی تاریخ ولادت (سید ظفر امام) تھی

۱۷۵۸ — ظفر امام کی اک غنچۂ گلشن کو تلی تھی — فلک نے ناشگفتہ اسکو لیکن کر دیا رخصت

سمجھ میں کچھ نہیں آتا الٰہی یہ تاریخ ہستی کا — بہ حسرت کہی تاریخ رفتہ گلشن فطرت

۱۳۰۱ھ

(حسب فرمائش پنڈت مدن موہن صاحب مالوی)

۱۷۵۹ — محرم اور دسہرہ ساتھ ہوگا — تباہ اسکا ہمارے ہاتھ ہوگا

خدا ہی کی طرف سے ہے یہ سب جگ — تو کیوں کھیلیں باہم صلح ہو لوگ

۱۷۶۰ — مالوی کا مال کچھ اور مولوی کا مول کچھ — کہتے ہیں بازار میں اکبر سے تو بھی بول کچھ

بولا وہ دنیا کا سودا تو فقط اک کھیل ہے — عمر کی ہی مال ہیں اور مول ہیں جب میل ہے

۱۷۶۱ — مرے عزیزو یہ شیعہ سنی کس طرح یہ کہوں — کہ ہیں یہ خوش جو ہوئی انکی درسگاہ جدا

دلی دعا ہے مگر یہ کہ ایک قوم رہیں — گر چھوٹ وہ ہوں سب کے ساتھ اور راہ جدا

بنا سکے کالج شیعہ الگ ہوئی بھی تو کیا — وہی ہے منزل مقصود گو ہے راہ جدا

برائے دولت و آخرت ہے ایک ہی مرکز — نہیں ہے اب بھی طریق حصول جاہ جدا

یہ دونوں سایۂ الطاف مغربی میں ہیں — نہیں ہیں فضل الٰہی سے بادشاہ جدا

جو نسخہ تھا ریزولیوشن کا وہ ادھر بھی ہے — نہ کوئی حصن جدا ہے نہ ہے سپاہ جدا

یہ دونوں اب بھی بدستور ہیں بھائی بھائی — نہیں ہے صرف جو ہو جائے خانقاہ جدا

ٹر ہین ایک ہی پھر کیا جو ٹکٹ گھر ہوں — کہ اپنا بیگ سنبھالیں ملے پناہ جدا

وہ شیخ کی تھی ترقی یہ مجتہد کا عروج — نئے طریق کے ہیں خوب دو گواہ جدا
شب وصال کے نغمے الگ چھڑے دو سمت — جنھیں ہے ہجر وہ کرلیں گے اپنی آہ جدا
عجب نہیں جو بلندی و انحطاط بڑھے — دکھائے رنگ جو دنیا کا اشتباہ جدا
ہزار دور ہوں۔ اپنے جو ہیں وہ اپنے ہیں — کسی کی آنکھ سے ہوتی نہیں نگاہ جدا
ممکن ہیں ٹیچر و انجینیر۔ رہے ذاکر — وہ کرہی لیں گے کسی طور سے نباہ جدا
ثواب نیک خیالی بھی پائے گا اکبر — سوسائٹی میں بزرگوں کی واہ واہ جدا

۱۳۶۳

حسن نظامی کو میں نے دیکھا شریف خصلت فقیر طینت — عمل ہے اپنی ہی عنصر و نہیں اگرچہ دہلی کی ہے ذہانت
عنان اندیشہ ہا مضطر ادھر ادھر گو کبھی مڑی بھی — وہ دست دل ہے کہ جس سے چھوٹی کبھی نہ حبل المتین وحدت
ضمیر میں اُن کے ہے تصوف معاشرت میں ہے بے تکلف — فروع جو کچھ بھی پیش آئیں اصول میں ان کی ہے دیانت

وفات دختر جناب منشی افتخار حسین صاحب کاکوروی ڈپٹی کلکٹر لکھنؤ

۱۳۶۴

چل بسی وہ دختر گل پیرہن — ہو گیا ویران ہمارا باغ آہ
سال رحلت کیا کہوں اے افتخار — دیکھتے ہی ہے جگر میں داغ آہ

۱۳۶۵

فغاں کہ سوخت ز غم جان افتخار حسین — دلش فسردہ شد از جور عالم فانی
شمیم فاطمہ دخت عزیز نور نظر — نہال نورس و زیبا بباغ امکانی
جمال صورت و معنی خمیر ہستی او — بخلق مجسم سعادت بخلق لاثانی
فغاں کہ دست اجل بیخ نخل بدامن او — کشید رخت اقامت ز رباط فانی
بہار گلشن ہستی ہنوز نادیدہ — پرید طائر روحش بہ کنج پنہانی
فراق دخت جگر را ز والدین بسوخت — چو برق کہ بکلبہ سوز پنہانی
ہزار شعلہ حسرت کہ سر زد از دل ہا — ہزار اشک حسرت گرد طوفانی

۱۶۶۱

ماجد کو آپ سمجھیں بیگانہ طریقت — دل میں مرے تو ہی اک امیدِ ناشنیدہ
ہیں غالباً وہ مصداق اس شعر با اثر کے — ارشاد کر گیا ہے اک عمر برگزیدہ
من پاک باز عشقم ذوقِ فنا چشیدہ — آہوئے دشت ہوئیم از ما سوا رسیدہ

(مسٹر برن سابق چیف سکریٹری گورنمنٹ یوپی حال کمشنر بنارس۔ فارسی۔ اردو میں بہت قابل)
مصنف کے بڑے قدرشناس۔ کلام عارفانہ و حکیمانہ کے شیدا

شاعروں میں جب آیا میرا ترن — پڑھ دیا میں نے پیش حضرت برن
اردو و فارسی میں آپ ہیں برق — آپ ہی سے ہے نورِ مطلع شرق
صاحبِ فیض و لطف و علم ہیں آپ — عزت افزائے اہل علم ہیں آپ
حق تعالیٰ کو مانتے ہیں آپ — قدر طاعت کی جانتے ہیں آپ
فخر و ناز آپ کیلئے ہے مباح — اک زمانہ ہے آپ کا مدّاح
آپ ہر اہل کے دل کو راحت ہے — ایسا حاکم خدا کی رحمت ہے
آپ کا دل ہے مخزنِ ہمہ دوست — جو ملا آپ سے بنا وہ دوست
ہے بلند آپ کے کرم کا علم — ہیں مریدِ آپ کے سب اہل قلم
سازِ بزم آپ کا رہے برتر — ہو مبارک ترانۂ اکبر

(عطائے شمشیر بہ شیخ شاہد حسین صاحب رئیس اودھ بہ صلۂ خدمات ایام جنگ)

۱۶۶۲

حسن کو ابروئے خمدار مبارک ہووے — مرے شاہد کو یہ تلوار مبارک ہووے

بمقام جونپور بنگلہ سید عشرت حسین سلمہ

ب ۱۶۶۲

فضل ہو اللہ کا ہوں جمع سنانے سالیاں — وہ اچھالیں بال یہ چمکائیں اپنی بالیاں
لب کی ہو جگمگاہٹ اور بجے فونوگراف — عشرتی جھوما کریں بچے بجائیں تالیاں

گھر بسے آباد سمدھی اور سمدھن خوش رہیں ڈومنی انعام پائے گائے پیاری گالیاں

گرد بنگلے کے رہیں سرسبز ہر شاخِ درخت نہر کے پانی سے لہراتی رہیں سب نالیاں

ڈھیر ہو پھولوں کا گلدستے بنائے باغباں پیڑ پھل دیتے رہیں مالی لگائیں ڈالیاں

سونے چاندی کی بہیں موجیں دُلھن کے ہاتھ سے لیں بلائیں اور دعائیں دیں اٹھیں گھر والیاں

غل مچائیں کھیل میں بچّے رہے بنگلے میں دھوم میہمانوں کیلئے پکوان کی ہوں تھالیاں

جھانک کر دیکھیں تو جج صاحب کا دل بھی ہو نہال کمرے کی دیوار میں دو اک بنی ہوں جالیاں

(محمد موسیٰ صاحب برادر خرد شمس العلما مولوی امجد علی صاحب ام اے)

بھیجی جو تم نے مجھکو بیچی شربت کی نظر ہوا اس سے نیچی

منھ میں رکھکر جو میں نے چوسا بولی یہ زباں واہ موسیٰ

ج ۱۷۷۴

۱۷۷۵
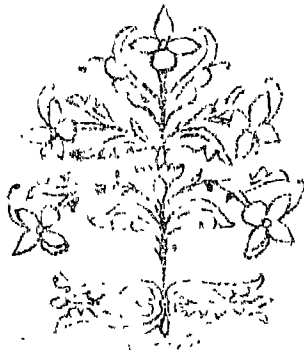
ترجیع بند وغیرہ

ذکرِ رسولِ پاک ہے فخرِ زبانِ انس و جن — روح کو اس سے ہے سرور قلب ہے اس سے مطمئن
ولولۂ دلِ جواں قوتِ خاطرِ مسن — سنیئے اگر بگوشِ ہوش وردِ ملک ہے رات دن
صلِّ علیٰ محمدٍ صلِّ علیٰ محمدٍ

خضرِ رکوع ہے یہی شوقِ سجود اسی سے ہے — حالتِ ذوق و وجد کا دل میں وجود اسی سے ہے
دینِ خدائے پاک کی شان نمود اسی سے ہے — تسبیح خیر ہے یہی ہمت بود اسی سے ہے
صلِّ علیٰ محمدٍ صلِّ علیٰ محمدٍ

ہے یہ وہ نام خاک کو پاک کرے نکھار کر — ہے یہ وہ نام خار کو پھول کرے سنوار کر
ہے یہ وہ نام ارض کو کردے سما ابھار کر — آ کر اسی کا ورد تو صدق سے بے شمار کر
صلِّ علیٰ محمدٍ صلِّ علیٰ محمدٍ

شافعِ عاصیاں ہیں وہ تائبوں کے کفیل ہیں — فیض رسانِ خلق ہیں حامیٔ بے عدیل ہیں
شکل میں وہ جمیل ہیں شان میں وہ جلیل ہیں — منظرِ نورِ حق ہیں وہ مہبطِ جبرئیل ہیں
صلِّ علیٰ محمدٍ صلِّ علیٰ محمدٍ

سینۂ بت پہ آتشیں کفر کے دل پہ تیر ہیں — حکمِ خدا کے ہیں مطیع دین کے دستگیر ہیں
راحتِ جان و روح ہیں روشنیٔ ضمیر ہیں — خلق ہوا ہے مستفید ہادیٔ بے نظیر ہیں
صلِّ علیٰ محمدٍ صلِّ علیٰ محمدٍ

حالتِ ملک و قوم پر ہوں شب و روز بیقرار — دیں سے دلوں کو پھیر دیں ایسے ہیں سب ہنر شعار
زورِ طبع کیا کہیں جیسے ہوا ہم پہ انتشار — آئی صدا فلک سے یہ پڑھ تو اسی کو بار بار

صلِّ علیٰ محمد صلِّ علیٰ محمد

بھیجے مجھے آسماں اگر تجھ سے ہو برسرِ جفا ہو نہ ملول تجھ سے ہو دولت و جاہ اگر خفا

مسلکِ مستند یہ ہے چھوڑ نہ تو رہِ صفا نسخۂ حفظِ دیں یہ ہے ہے یہی ٹھیک فلسفا

صلِّ علیٰ محمد صلِّ علیٰ محمد

۱۷۷۶

تنگ راہی ہے مرا مسئلہ کبھی ایسی تو نہ تھی تند موجِ لبِ ساحل کبھی ایسی تو نہ تھی

بیگانگی تری قاتل کبھی ایسی تو نہ تھی بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی

جیسی اب ہے تری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی

کرتی ہے خلق کو لیلائے کمر بی مفتوں ہند کے دل کو لبھا لیتا ہے پل کا یہ فسوں

لاجپت بھی ہوئے شائد کہ اسیرِ محزوں پائے کو یاں کوئی زنداں میں نیا ہے مجنوں

آتی آوازِ سلاسل کبھی ایسی تو نہ تھی

پیشتر اس سے طبائع کے نہ تھے یہ پہلو کہیں اشنان کی تھی لہر کہیں موجِ وضو

اے مسِ سیماتن و ماہ جبین و گل رو تری آنکھوں نے خدا جانے کیا کیا جادو

کہ طبیعت مری مائل کبھی ایسی تو نہ تھی

تعلیم نسواں ایک پنڈت صاحب کی فرمائش سے

۱۷۷۷

تعلیم عورتوں کو بھی دینی ضرور ہے لڑکی جو بے پڑھی ہو تو وہ بے شعور ہے

حسنِ معاشرت میں سراسر فتور ہے اور اس میں والدین کا بیشک قصور ہے

ان پر یہ فرض ہے کہ کریں کوئی بندوبست چھوڑیں نہ لڑکیوں کو جہالت میں شادمست

لیکن ضرور ہے کہ مناسب ہو تربیت جس سے برادری میں بڑھے قدر و منزلت

آزادیاں مزاج میں آئیں نہ تمکنت ہو وہ طریق جس میں ہو نیکی و مصلحت

ہر چند ہو علوم ضروری کی عالمہ
شوہر کی ہو مرید تو بچوں کی خادمہ

مذہب کے جو اصول ہوں اسکو بتائے جائیں
باقاعدہ طریق پرستش سکھائے جائیں

اوہام جو غلط ہوں وہ دل سے مٹائے جائیں
نیکی خدا کے نام کے دلمیں بٹھائے جائیں

عصیاں سے محترز ہو خدا سے ڈرا کرے
اور حسن عاقبت کی ہمیشہ دعا کرے

تعلیم خوب ہو تو نہ آئے گی دام میں
خالق پہ لو لگائے گی وہ اپنے کام میں

قرات ہی سے ہوگی غرض خاص عام میں
اسکو سکھایا جائے یہ واضح کلام میں

اچھا برا جو کچھ ہے خدا ہی کے ہاتھ ہے
نیکی اگر کرے گی تو فطرت بھی ساتھ ہے

تعلیم ہے حساب کی بھی واجبات سے
دیوار پر نشان تو ہیں واہیات سے

پر کیا زیادہ گن نہ سکے پانچ سات سے
لازم ہے کام لے وہ قلم اور دوات سے

گھر کا حساب سیکھ لے خود آپ جوڑنا
اچھا نہیں ہے غیر پہ یہ کام چھوڑنا

کھانا پکانا جب نہیں آیا تو کیا مزا
جوہر ہے عورتوں کے لیئے یہ بہت بڑا

لندن کے بھی سالونوں میں یہ بھی پڑھا
مطبخ سے رکھنا چاہیئے لیڈی کو سلسلہ

وقت آپڑے تو کاڑھے گزی میں بھی عذر کیا
گھر کے لیئے طعام پزی میں بھی عذر کیا

سینا پرونا عورتوں کا خاص ہے ہنر
درزی کی چوریوں سے حفاظت پہ ہو نظر

عورت کے دل میں شوق ہو اس بات کا اگر
کپڑوں سے بچتے جاتے ہیں گل کی طرح سنور

کسب معاش کو بھی یہ فن ہے کبھی مفید
اک شغل بھی ہے دل کے بہلنے کی بھی امید

سب سے زیادہ فکر ہے صحت کی لازمی
صحت نہیں درست تو بیکار زندگی

کھانے بھی بے ضرر ہوں صفا ہو لباس بھی
آفت ہے ہو جو گھر کی صفائی میں کچھ کمی

تعلیم کی طرف ابھی اور اک قدم بڑھیں
صحت کے حفظ کے جو قواعد ہیں وہ پڑھیں

پبلک میں کیا ضرور کہ جا کر تنی رہو
تقلید مغربی پہ عبث کیوں ٹھنی رہو

داتا نے دھن دیا ہو تو دل سے غنی رہو
پڑھ لکھ کے اپنے گھر ہی میں بیوی بنی رہو

مشرق کی چال ڈھال کا معمول اور ہے
مغرب کے ناز و رقص کا اسکول اور ہے

دنیا میں لذتیں ہیں نمایش ہے شان ہے
انکی طلب میں حرص میں سارا جہان ہے

اکبر سے یہ سنو کہ جو اس کا بیان ہے
دنیا کی زندگی فقط اک امتحان ہے

حد سے جو بڑھ گیا تو ہوا اسکا عمل خراب
آج اس کا خوشنما ہے مگر ہوگا کل خراب

نعت

۱۶۶۸

مدیح سرورِ کونین میں خامہ اٹھاتا ہوں
خیالِ کفر کی ظلمت پہ اک بجلی گراتا ہوں

شبِ اوہام ہے شمعِ یقیں محفل میں لاتا ہوں
چراغِ طورِ ایمن کو وہ ہستی پر جلاتا ہوں

الٰہی شوخیٔ برقِ تجلّی دہ زبانم را
قبولِ خاطرِ موسیٰ نگاہاں کن بیانم را

محمد پیشوا و رہنمائے خلق و عالم ہیں
معزز ہیں مقدس ہیں معظم ہیں مکرم ہیں

فروغِ محفلِ ہستی میں نورِ عرشِ اعظم ہیں
حبیبِ حق ہیں بدیع ملک ہیں فخرِ آدم ہیں

انھیں کے رنگ سے رنگینیٔ گلِ ہستی کی زینت ہے
انھیں کی بوئے عطر آگیں بنی آدم کی طینت ہے

انھیں کے دل کو آگاہی ہوئی تھی رازِ فطرت پر
انھیں کی طبع کو وجد آگیا تھا سازِ فطرت پر

وہی چشمِ خدا بیں تھی جو تھی اندازِ فطرت پر
انھیں کا ناز غالب آگیا تھا نازِ فطرت پر

وقائع انکے عزم و فکر کے سانچے میں ڈھلتے تھے
فرائض خیبت تکمیلِ مقصد کو نکلتے تھے

وہ نظریں ساقیِ میخانۂ یزداں پہ پڑتی تھیں — وہ آنکھیں مظہرِ انوارِ رازِ بزمِ ہستی تھیں
انھیں پہ بدلیاں خالق کی رحمت کی برستی تھیں — اسی محفل کی بحثیں خلد کے پھولوں میں بستی تھیں

اسی سرکار نے رتبہ بڑھایا طبعِ انساں کا

اسی دربار نے خلعت پنھایا نورِ ایماں کا

نہ سمجھا پھر ہر اک نے آب و سنگ و نار کو حاکم — طبائع ہو گئے تحقیقِ موجودات کے عازم
جو تھے صنّاعِ تاثیرِ عناصر کے ہوئے عالم — پرستارانِ عنصر نے عناصر کو کیا خادم
ہوئی توحید بالا جڑ کٹی عنصر پرستی کی — پڑی بنیاد اسی ارشاد سے علمی ترقی کی

غلط سمجھا گیا دعویٰ بتوں کی فاعلیت کا — یقیں پیدا ہوا حکمِ خدا کی کاملیت کا
بڑھا نورِ بصر گذرا زمانہ جاہلیت کا — بجا ڈنکا زمانے میں بشر کی قابلیت کا
اشارہ عقل کی جانب کلامِ حق میں واضح ہے — یہی قرآں درِ گنجینۂ فطرت کا فاتح ہے

معانی انکے روشن تھے اندھیرے میں اجالے میں — سما جاتا تھا خوف اُنسے تعرض کرنے والے میں
Sale
وہ یوں اصحاب میں تھے جسطرح ہو چاند ہالے میں — مصنف سیل کو لکھنا پڑا اپنے رسالے میں
محمد کی وہ نظریں تھیں کہ دل میں راہ کرتی تھیں — زبانیں وہ فصاحت تھی کہ قومیں واہ کرتی تھیں
قدم انکے لیے تھے سیرِ حلِ مشکل مسائل نے — ہدایت اُنسے حاصل کی جہاں بھر طبع مائل نے
جوابوں میں تشفی پائی اُنسے ہر سائل نے — نہایت ہی فصاحت سے لکھا ہے کارلائل نے
جو طاقت رات کو دن اور دن کو رات کرتی تھی — وہ طاقت یعنی یہ فطرت خود اُنسے بات کرتی تھی
معاشر دیکھکر شان انکی انکو شاہ کہتا تھا — مسافر راہ پاکر انکو خضرِ راہ کہتا تھا
مخاطب معترف ہوتا تھا حق آگاہ کہتا تھا — مخالف کو حسد تھا پھر بھی دل میں واہ کہتا تھا
دلِ کافر میں بھی قدر انکی تھی انکا ادب کچھ تھا — نہ تھے شانِ نبوت کچھ نہیں تھا اور سب کچھ تھا

جواہر خانہ اُس چشم کرم سے سینہ بنتا تھا | حقایق کا خرد کا علم کا گنجینہ بنتا تھا
لطافت سے صفا سے نور سے آئینہ بنتا تھا | علوی فکر سے عرش بریں کا زینہ بنتا تھا
مُرید اُنکے نہ تھے مشتاق دنیا کی تگ و دو کے | قدم افلاک پر پڑتے تھے اُس ہادی کے پیرو کے
قلوب اُنکی نظر کے رعب ہوش افزا سے ہلتے تھے | چمن اُنکے سخن کے فیض بے ہمتا سے کھلتے تھے
ہجوم خلق تھا راہِ طلب میں شانے چھلتے تھے | بشر کی کیا حقیقت ہے فرشتے جھک کے ملتے تھے
فلک تھا دم بخود بادِ مخالف چل نہ سکتی تھی | خدا کی بات تھی ٹالے کسی کے ٹل نہ سکتی تھی

۱۷۷۹ خلقت کی مصلحت سے بہم کچھ یہ پیار ہے | ورنہ ہر ایک اپنی طرف بیقرار ہے
جو ذرہ ہے یہاں اُسے اک انتشار ہے | مرجع تمام خلق کا پروردگار ہے
ہر آن میں ہے شان خدائے قدیر کی | ہر سمت اک صدا ہے الیک المصیر کی

۱۷۸۰ اب تو یاری کا اسی پر رہگیا ہے انحصار | جسکا تو حاسد ہے اُسکا جو ہو حاسد تیرا یار
واسطے اللہ کے ہو دوستی وہ اب کہاں
جنگ جبتک تھی تو لب سے نام تھا اللہ کا | ابتو ہر اک ہے مجاور اک جدا درگاہ کا
واسطے اللہ کے ہو دوستی وہ اب کہاں
ہاں تجارت اور پالیٹکس میں دیکھیں جو سود | چند روزہ متفق ہوں ورنہ اے شیخ و ہنود
واسطے اللہ کے ہو دوستی وہ اب کہاں

متفرقات

الا یا ایہا الساقی ملک تصنیف ناول ہے | دروغ آساں نمود اول ولے افتاد مشکل ہا ۱۶۸۱

جن لوگوں کا قومی کوئی مرکز نہیں ہوتا | انہیں کا کوئی فرد معزز نہیں ہوتا ۱۶۸۲

سند کیسی جمال انہیں اگر ہے ہُد کا نوڑا ہے | کوئی سارٹیفکٹ سے خوبصورت ہو نہیں سکتا ۱۶۸۳

آپ کی کارروائی پہ میں کیا دوں الزام | کر ہی کیا سکتے ہیں اب آپ حماقت کے سوا ۱۶۸۵

جنسے ملتی تھی انھیں دل میں نہ رگوں کے جگہ | وہ ادب لڑکوں کے دل سے آج کل جاتا رہا ۱۶۸۶

حال دل خوب کہا ہے یہ زباں کا دعویٰ | دل سے پوچھو تو وہ کہتا ہے کہ کچھ بھی نہ کہا ۱۶۸۷

شیخ نالاں ہیں کہ ہر گڈ کو برتنا ہی پڑا | اس پرانے سوت کو بھی بل میں کتنا ہی پڑا ۱۶۸۸

جو اصل و نقل سے واقف ہو اُسنے دلکو ہی روکا | مبارک ہو تمھیں کو چاٹنا لڈو کے فوٹو کا ۱۶۸۹

پئے ہمسری جو اُبلے سمجھ اسکو خون اچھا | یہ بجا ہے قول شاعر گنہ بڑ جنوں اچھا ۱۶۹۰

مسلمانوں کا وہ آئین طبعِ مستقل بدلا | چھٹی عربی گیا قرآن زبان لی تو دل بدلا ۱۶۹۱

ہوٹل میں برہمن نے اگر بھوگ لگایا | سمجھو کہ دھرم کو یہ بڑا روگ لگایا ۱۶۹۲

بین نے سحری کے کھانے پر ٹوکا تھا تو وہ جھنجھلائی تھی | اور آج جناب واعظ نے چورن سے فقط افطار کیا ۱۶۹۳

کیونکر خدا کے عرش کے قائل ہوں یہ عزیز | جغرافیے میں عرش کا نقشہ نہیں ملا ۱۶۹۴

فرقت نے کہا کہ جا گئے آپ | کھٹمل نے کہا کہ بھاگئے آپ ۱۶۹۵

بنی اُمیہ سے تھے تنگ قبل ازیں سادات | سنانے آئے ہیں اب شیخ کو بنی کالج ۱۶۹۷

الفاظ ثقیلہ کو مغرب نے کیا خارج | اب دم کی جگہ ملت ستھرے کی جگہ کالج ۱۶۹۸

کب میں کہتا ہوں تنگ ہو سارا قصہ چھوڑ کر | کر طلب دنیا مگر صاحب کا حصہ چھوڑ کر ۱۶۹۹

۱۸۰۰ ظلم ہو انکو اگر وہ داد نہ دو دل ہی میں لیکن — اپنے مدّاح کا مدّاح نہ ہونا بہتر

۱۸۰۱ ہم گڈ شیر تو ایں و ہم آروغ صاف — ایں خیال است و محال است و گزاف

۱۸۰۲ کیا پوچھتے ہو اکبر شوریدہ سر کا حال — خفیہ پولس سے پوچھ رہا ہے کمر کا حال

۱۸۰۳ تذکرے آپکی خوش اخلاقی کے سنتا ہوں بہت — جتنے راوی ہیں مگر وہ سب ہیں ارباب نشاط

۱۸۰۴ ہدو کے شست سے بچتے نہیں ہیں — یہ کالے ہیں مگر کوّے نہیں ہیں

۱۸۰۵ تھیٹر والیاں دنیا میں ہر سو عیش کرتی ہیں — جہاں نقصان ہیں دل لیتی ہیں پبلک شی کی ہیں

۱۸۰۶ سائنس کا مطلب ہے کہ نیچر کو نچوڑیں — اُس بت کی یہ خواہش ہے کہ اکبر کو نچوڑیں

الف ۱۸۰۷ دیکھئے رہتا ہے کبتک ملتوی یہ قصد حج — گھر کے جانب ہے تو اطمینان ہونے کا نہیں

۱۸۰۸ مصلح قوم ہوں اُمت کے نگہبان نہیں — ہیں بلے لِلّٰہ مگر خود تو مسلمان نہیں

۱۸۰۹ دفعِ دل سے اثر یاس کیا کرتے ہیں — رزولیوشن ہی بس پاس کیا کرتے ہیں

۱۸۱۰ گوشۂ مسجد میں کارِ شیخ اب بنتا نہیں — پیٹ کو تسکین پا جائے مگر بنتا نہیں

۱۸۱۱ خدا کی راہ میں اب ریل چل گئی اکبر — جو جان دینا ہو انجن سے کٹ مرو اک دن

۱۸۱۲ مسلماں تو وہ ہیں جو ہیں مسلماں علم باری میں — کروڑوں یوں تو ہیں لکھے ہوئے مردم شماری میں

۱۸۱۳ گرو جی دیکھکر ہم کو لہو کے گھونٹ پیتے ہیں — جو سچ پوچھو تو ہم بھگوان کی کرپا سے جیتے ہیں

۱۸۱۴ وصل کا اُس بت خود بیں کو ہے منٹ کہاں — صرف لیسے میں بھلا لطف گورمنٹ کہاں

۱۸۱۵ صداقت کے نشاں اس مصرعۂ اکبر میں ملتے ہیں — کلیں سائنس سے چلتی ہیں دل مذہب سے ملتے ہیں

۱۸۱۶ خدا کی راہ میں پہلے بسر کرتے تھے سختی سے — محل میں بیٹھکر اب عشق قومی میں پنپتے ہیں

زمیں بھی شعاعِ مہر کا جب اثر سہتے — وہی دل خوب ہیں گرمی عرفاں سے پپتے ہیں

۱۸۱۷ ملکی خیال جب ہے تو ہو سازِ ملک بھی — بیلا لیا ہے آپنے تو ہم ہیں کیوں نہ لیں

۱۸ سمجھتے تھے جو اُنکو اُنکی گردن تم نے کل ماری — سمجھ لو آج بیکار ان کتابوں کی پلماری

۱۸۳۹ کچھ اسکا غم نہیں آفس میں ہو کہ ہل میں رہے — شکم کے ساتھ نہ پھیلے حدود دل میں رہے

۱۸۴۰ شیطان نے ترکیب تنزل یہ نکالی — ان لوگوں کو تم شوق ترقی کا دلا دو

۱۸۴۱ عزیز لڑتے ہیں آپس میں یہ ستم کیا ہے — خدا کی مار ہے ووٹوں کی مارکم کیا ہے

۱۸۴۲ ماہ جون میں یاد قانون کیجئے — اور گوارا خفّتِ لون کیجئے

۱۸۴۳ فرنگی سے کہا پنشن بھی لیکر بس یہیں رہیے — کہا جینے کو آئے ہیں یہاں مرنے نہیں آئے

۱۸۴۴ کافی ہیں امیروں کو قوانین گورنمنٹ — مذہب کی ضرورت تو غریبوں کیلئے ہے

۱۸۴۵ کالج سے جنھیں امیدیں ہیں مذہب کو بھلا کیا مانیں گے
مغرب کو تو پہچانا ہی نہیں قبلے کو وہ کیا پہچانیں گے

۱۸۴۶ تم بن گئے ہو صاحب مرزا غریب ٹھہرے — پھر انکو کیا تم اُنکے گھر کے قریب ٹھہرے

۱۸۴۸ میم نے شیخ کو ڈانٹا تو پکارے وہ غریب — دیکھیے آپ نے لاٹھی کو دبا رکھا ہے

۱۸۴۹ تمھارے حسن میں سائنس کا بھی دل اُلجھتا ہے — کمر کو دیکھکر وہ خطِ اقلیدس سمجھتا ہے

۱۸۵۰ نہایت قابلیت سے مجھے ثابت کیا مُردہ — مُناسب داد دینا ہے مجھے یا رب کہ رونا ہے
ندا آئی مناسب ہے کہ جینا اپنا ثابت کر — خوشامد یا شکایت دونوں ہی بے وقت کھونا ہے

۱۸۵۱ نزولِ وحیِ مغرب نوجوانوں پر ہوئے اکبر — زبانیں کالجوں کی کھل گئیں اب آپ چپ رہیے

۱۸۵۱ مذہب سوسائٹی ہے اور دین آخرت ہے — پولیٹکل جو پوچھو طاقت ہے اور سکت ہے

۱۸۵۴ قائلِ تقدیر یہ تھے قائلِ تدبیر وہ — یہ قضا سے اور وہ اپنی حماقت سے مرے

۱۸۵۹ دو حرف میں ہیں دفتر تجھکو اگر نظر ہے — مذہب ہر یقین ہے سائنس میں اگر ہے

۱۸۶۰ کرتا ہوں ایجنٹ پر نوچے رکا رہتا ہے کام — تنگ ہے وہ شوخ مجھ تاریخ دانِ دور سے

بھلا پوچھو گیہوں کا، آٹا ڈھائی آنہ سیر ہے — پھر عجب کیا ابن آدم زندگی سے سیر ہے ۱۸۶۱

جو چاہتا ہے زمیں کو کہ لالہ زار کرے — برائے سعی وہ موسم کا انتظار کرے ۱۸۶۲

بھائی عربی، دوست ہندو، بادشاہ انگریز ہو — آپ کی فکر ترقی انتشار انگیز ہے ۱۸۶۳

دل میں اب نور خدا کے دن گئے — ہڈیوں میں فاسفورس دیکھیے ۱۸۶۴

یہ ینگ پارٹی کی بنا کس غرض سے ہے — واللہ یہ علاج تو بدتر مرض سے ہے ۱۸۶۵

نہیں موج مغربی مجھ میں ہوائے شرق ہے — حضرت گزٹ میں غرق ہیں بندہ غزل میں غرق ہے ۱۸۶۶

اب تو پنڈت جی کا ہائی مارک ہے — دل میں پی کر نہیں ہے پارک ہے ۱۸۶۷

ان کو کچھ سمجھ سکتے ہو نثر اور شاعروں سے — مگر آساں نہیں تشریح استعداد روحانی ۱۸۶۸

اُن کی محفل وہ بھولے رنگ بدل دینے سے — بات میری بھی بنی رہ گئی چل دینے سے ۱۸۶۹

بقول اہل مغرب یہ زمانہ ہے ترقی کا — مجھے بھی شک نہیں اس میں کہ غفلت کی جوانی ہے ۱۸۷۰

اس بت کے لب و رخ کا لیا بوسہ بلا عقد — مجھ شاعر مشرق کا آئینی شگون یہی ہے ۱۸۷۱

اگر یہ خود ہی بنا دیتا ہے مرشد اکبر — سچ کہا آپ نے پیری میں بدی کیسی ۱۸۷۲

پوچھو ہمسے اکبر حالت سائنس و مذہب — وہاں ابجد پہ ہنگامہ یہاں مصطفٰی پہ بیہوشی ۱۸۷۳

ہر شخص میں جوش خود سری ہے — سوشل حالت کی ابتری ہے ۱۸۷۴

اب حالت ہے شیخ ہند کی طفلاں کی نسبت — جوانی بھی یہیں گذری بچپن بھی بہت بیتی ہے ۱۸۷۵

اب غور کیا تو مجھ پہ یہ بات کھلی — وقت میں وہ ہیں کہ جو نہ صاحب قلی ۱۸۷۶

۲۸۴

کالج و اسکول کی بجتی ہے ہر سو تو تڑی — پیار دو ہی آٹھ ہیں اور فاکس معنی لومڑی ۱۸۷۷

پہلے ہوتا تھا وصال اور اب ہو مرگ نیچری — عرس کا اب اس لیے ہے نام انی ورسری ۱۸۷۸

اب ہی سکھاتے ہیں ہمکو یہ کہکر — جہنم سے ڈرنا بڑی بزدلی ہے ۱۸۷۹

۱۸۸۰ مری کھیتی تو اک مدت ہوئی چڑیوں نے چگ لی ہے — کہیں کچھ کچھوں جگہ پڑا کر کی جمنا ہو کہ ہگلی ہو

۱۸۸۱ نظر میں تیرگی ہے اور رگوں میں ناتوانی ہے — ضرورت کیا ہے پردے کی جہان بھیے کا پانی ہو

۱۸۸۳ ہمارے مصلح اگر بھی ہیں ل ہی بیگے مزاج بیلی — یہ مشورے دے رہے ہیں حضرت کہ بھیجیے قیس کو بریلی

۱۸۸۵ مرا شوق زیادہ مشرقی ہے شیخ صاحب سے — کہ وہ موٹر پہ چڑھتے ہیں موٹر سے بھڑکتا ہے

۱۸۸۶ صبا نے حاجی کو مژدہ یہی سنایا ہے — محافظ حرم اب آپ کی رعایا ہے

۱۸۸۸ نہیں سنتی کی اب فطرت کی اُنکے ترانے کی — ہدایت مرشد دینی کی ہے اُنکو گپ اُڑانے کی

۱۸۸۹ شمار میں سب جمع ہیں مجھ سے نہ پی لیجئے — آپ اس بوتل کو میرے گھر پہ وی پی بھیجئے

۱۸۹۰ ماسٹر کی بحث اگر مانیں نتیجہ ہے یہی — اب ہیں اچھے جانور پہلے بُرے انسان تھے

۱۸۹۳ ٹھٹھا دیا ہر اک کو مغرب نے پاس کرکے — سید بھی کورے نکلے برسوں مساس کرکے

۱۸۹۵ جمال صورت معنی ہیں بحث و رد و کد کیسی — گل و بلبل کے حق میں کیا شہادت اور سند کیسی

نہ دعوے کی ضرورت ہے نہ کوئی روک سکتا ہے — کسی میں فطرتی جوہر جو ہو وہ خود چمکتا ہے

۱۸۹۶ اتحاد مذہبی کا شوق گو ہے بےبدل — اس زمانے میں مگر کچھ اور ہے طرز عمل

پہلے سنتے تھے صدا ہے دم بدم لیلیٰ کون ہے — اب تو یہ سرگوشیاں ہیں میری گوئیاں کون ہے

۱۹۰۰ وہی ہنسائے وہی رولائے وہی جگائے وہی سلائے

وہی بگاڑے وہی سنوارے وہی نکالے وہی بلائے

اُسی سے خوش رہ اُسی کا غم کر اُسی کو دیکھ اور اُسی میں گم ہو

دُعا اُسی سے ثنا اُسی کی جو گر تو چپ ہو سنبھل جو قم ہو

جہان فانی سے کچھ نہ کر لو اُنس اُسی کی قدرت کے ہیں لطائف

اُسی کی رحمت پہ کوئی غافل اُسی کی عظمت سے کوئی خائف

دلوں کا مالک نظر کا حاکم سمجھ کا صانع خرد کا بانی
جمال اُسی کا جلال اُسی کا اُسی کو زیبا ہے لن ترانی

۱۹۰۱

خواہشیں کھو دیتی ہیں صبر و شکیب — خواہشوں میں ہوتے ہیں اکثر فریب
ہمنشیں ہے نفس کے شیطان کے — خود غرض احباب ہیں سلطان کے
پہلے آپ اصلاح خواہش کیجیے — بعد ازاں دنیا سے سازش کیجیے

۱۹۰۲

ضرورت نے کیا قائم جو پاس و رفیل کا پھندا — تو مشتِ استخواں نے مشتِ پر کو کر دیا چھندا
ہمائے اوج عزت کا اگر حق اپنو غالب ہی — شرف اسکا ہے محفوظا غیرت اسکی طالب ہی

اُس چیز کا کیا کہنا اکبر تھا جس نے دلوں کو نیک کیا
لاکھوں ہی طبائع کو کھینچا ہموار کیا اور ایک کیا

جو قوم کو اجتر کرتے ہیں اب آن اثروں پر رونا ہے
معلوم نہیں کیا مطلب ہے معلوم نہیں کیا ہونا ہے

تعلیم جنہوں نے پائی ہے وہ بد تو نہیں ہیں بے حس ہیں
دعوی جو ہیں رسم و مذہب کے سب اُنکے یہاں سے ڈسمس ہیں

کیوں دولت و قوت کی ہو کمی اس سے تو سبق پیچیدہ ہیں
کچھ اُسکو سمجھ سکتے ہیں وہی بوڑھے جو زمانہ دیدہ ہیں

لیکن یہ جو سوشل آفت ہے طوفان بپا ہے فتنوں کا
بے مہری ملت کی یہ ہوا اک قہر ہے جس کا ہر جھونکا

اسکا جو سبب ہے سُن لو اُسے سب پردہ میاں ہر ظاہر ہے
الفاظ صریح و واضح ہیں یہ مطلع اکبر حاضر ہے

تعلیم جو دی جاتی ہے ہمیں وہ کیا ہے فقط بازاری ہے
جو عقل سکھائی جاتی ہے وہ کیا ہے فقط سرکاری ہے

۱۹۱۰ گئے برہمن کے پاس لیکر جواب چیلنج کو شیخ جی
بگڑ کے بولا کہ جاؤ بابا گو ملکش تم بھی ملکش وہ بھی
بڑھی جو تکرار تو وہ لیکر انھیں فرنگی کے پاس پہنچا
وہ بولا میں دور ہو یہاں سے کہ تم بھی نیٹو ہو وہ بھی نیٹو
فلک نے آخر ہر اک کی سنکر کہا کہ تم سب ہو مست غفلت
سمجھ لو اس کو کہ تم بھی فانی ہو وہ بھی فانی ہو یہ بھی فانی

۱۹۱۴ پر گڈ کے مولوی کو کیا پوچھتے ہو کیا ہے — مغرب کی پالسی کا عربی میں ترجمہ ہے

۱۹۱۵ نہ تیر افگنی ہے نہ اب حکم رانی — نہ وہ وضع ملت نہ قرآن خوانی
نہ باہم ادب ہے نہ وہ مہربانی — یہی کہتی پھرتی ہے لڑکے کی نانی
ہر اک شاخ میں پاس یہ لے ہوا ہے — مرا لال کالج کا کاکاتوا ہے

۱۹۱۶ پسنجر کی آمد رہی در کنار — ہوا اک گاڑی میں بھی انتشار
جو لی ریل والوں نے راہِ فرار — ٹریفک کا ہے بند سب کاروبار
کئی دن سے سونی ہوائی آئی آر — یہ سچ کہہ گیا شاعرِ نامدار
بیک گردشِ چشم نیلوفری — نہ انجن بچا نہ انجنیری

۱۹۱۷ اٹھ گیا پردہ تو اکبر کا بڑھا کون ساحق — بے پکارے جو مرے گھر میں چلا آتا ہے
بے حجابی مرے ہمسائے کی خاطر سے نہیں — صرف حکام سے ملنے میں مزا آتا ہے

۱۹۱۹ قدر دانوں کی طبیعت کا عجب رنگ ہے آج — بلبلوں کو یہ حسرت کہ وہ الو نہ ہوئے

۱۹۲۱
اک غزل میں اتفاقاً میرا اک مصرعہ پڑھا — دیدۂ عبرت سے رنگِ قدردانی دیکھیے
کوئی بولا اٹھا زوالِ حسن ثبت مقصود ہو — اس سخن میں بدشگونی کی نشانی دیکھیے
عارفانہ شاعری بھی آج کل [illegible] ہی — بزمِ دنیا میں یہ زورِ بدگمانی دیکھیے

۱۹۲۴
کہنا ہی مجھکو جو کچھ بیٹے کا اس صدی میں — پوچھا کہ اس صدی میں کیوں چپ رہ گئے جی میں
بولے کہ یہ صدی ہی اس بحث اور بیاں میں — کہنا ہے جو تمہیں ہم وہ کونسی زباں میں
سنکر یہ بات اُنسے ہر اک کو آیا چکر — ایک صاحبِ بصیرت چلتے ہوئے یہ کہکر
پیرِ فلک نہ کیونکر الجھا ابنا بحث کھولے — جیتے رہیں گر وجی زندہ رہیں تو بھولے

۱۹۲۵
پہلے کام اپنا پالیسی کرتی ہے — ہمدردی طبع بے حسی کرتی ہے
تنگی ہوتی ہے جب بہت خلقت پہ — فطرت خود اٹھ کے ثالثی کرتی ہے

۱۹۲۶
زبانِ سنسکرت اسوقت پنڈت جی سے کہتی ہے — کہا اچھا ہے مری الفت تمہارے دل میں رہتی ہے
بہشت ہونگی بلا شک تم اگر مجھکو جلاؤگے — مگر وسکی پلاؤ گے کہ گنگا جل پلاؤ گے
جیونگی میں کہ پھر سب کو ملاؤں دیوتاؤں سے — پھر اوگے مجھی کو یا کہ دنیا کی بلاؤں سے
اگر شوقِ عبادت ہے تو نیچے جو دہوں اب بھی — اگر دنیا کا سودا ہے تو کب ہیں اس سے راضی بھی

۱۹۲۷
پیدا جو ہوئے یہ غل مچانے والے — دل لگا نہیں ہیں ہم پڑھانے والے
لیکن یہ ادب کرینگے یہ عرض کہ ہیں — اس فن کے حضور ہی سکھانے والے
فکر ساری کی ہے نہ گلشن کی — اب تو دھن ہے انہیں فرنگن کی

۱۹۳۱
فنا کے دور میں عبرت کو بھی قیام نہیں — نشان ہی نہ رہے جب تو یاد کیا آئے

۱۹۳۳
دلی خواہش تو ہے بیشک کہ ایک آدھ اور ایک دو کہیے — مگر کہنے کو ہوں موجود سب کچھ آپ جو کہیے
بتانِ مغربی کی مدح و ذم کی بحث نازک ہے — سکوت اسوقت اولیٰ ہے نہ کچھ کہیے نہ تو کہیے

۱۹۳۸ کو ڈر جدید روشنی کے شعلوں کی ہو یہ — پردے کی احتیاج ہے کیا اس بنا پر
جب شمع ہو تو اسکی حفاظت ضرور ہے — فانوس کوئی رکھ نہیں سکتا الاڈ پر

۱۹۳۹ نام میرا دفتر اعزاز سے خارج ہوا اب — پارک کی زینت میں میری قبر بھی خارج ہوا اب

۱۹۴۰ یہ دال لب گنگ کبھی گل نہیں سکتی — گلو کے پٹاخے سے بلا ٹل نہیں سکتی
افعی سے کہا میں نے مجھے تو نے ڈسا کیوں — بولا کہ بلا لاٹھی کے تو بن میں بسا کیوں

۱۹۴۱ پاؤں میں تو مہدی ہو لگی شوق ڈنر کی — حیران ہوں اکبر نے کمر کو یہ کسا کیوں

۱۹۴۳ پیٹ مصروف ہے کلرکی میں — دل ہو ایران اور ٹرکی میں

۱۹۴۴ بعض مسلم تو ایسے ہیں موجود — منھ جو لحم بقر سے موڑتے ہیں
فوجی گورے نکڑ رکیں کیونکر — جان بل کب گئو کو چھوڑتے ہیں

۱۹۴۵ نہ وہ جان کے ہیں نہ ہیں تن کے دشمن — فقط ہیں ہمارے میاں پن کے دشمن
جو ہوں دوست اپنے کہاں وہ میسر — غنیمت ہیں اس وقت دشمن کے دشمن

۱۹۴۶ قناعت نہیں ہے تو ایمان رخصت — عبادت نہیں تو مسلمان رخصت

۱۹۴۷ یہ آپکا فرمانا ہے بجا قرآن بھی ہے اللہ بھی ہے — مشکل تو یہ ہے لیکن کہ ادھر آنریبل بھی ہے اور تنخواہ بھی ہے

۱۹۴۹ ہر طرف برپا ہے طوفان عناد و اختلاف — برہمن اور شیخ مشغول ساز و ساماں کیا کریں
پالیسی مغرب پہ مشرق پر تعصب ہے سوار — اسکو ہندو کیا کریں اسکو مسلماں کیا کریں

۱۹۵۰ تقلید حریف میں جو پہنچے نقصان — افسوس اسکا ہو کیوں دل ملت میں
مسجد کی مصیبتوں میں دیتے امداد — ہوٹل میں پٹو تو شیخ جی کیوں دور ہیں
گانے لگے اب سپیکٹیٹر پڑھ کے عزیز — گل کھلائینگے کہاں تک یہ گلستاں کے لئے

۱۹۵۲ سیکھے نہ حال [illegible] بدعت و غرور و درنہ — کدھر چلا ہے یہ عزم قافلہ خدا کرے خیر جان [illegible]

ہوگیا ہے الہلال آئی ماہ جگاہ تیرِ غرب ــــ اس نئے دورِ فلک کی چاندماری دیکھیے ۱۹۵۳

کھینچو نہ کمانوں کو نہ تلوار نکالو ــــ جب توپ مقابل ہو تو اخبار نکالو ۱۹۵۴

ضبطی پرچۂ توحید ہوئی قیصر یہ ہے ــــ قُل ھُوَ اللہُ اَحَد ضبط نہیں خیر یہ ہے ۱۹۵۵

نورِ ایماں کی ضرورت نہیں سمجھا سائنس ــــ وجہ خاموشیٔ شمعِ حرم و دَیر یہ ہے

مغربی پارک میں چکّر کے سوا کچھ بھی نہیں ــــ دلِ رنگین کی ہوا کھاؤ بڑی سیر یہ ہے

قید ہر کروٹ پہ ہر بوسے پہ اک مضمون ہے ــــ عشق میں کیا ہو نرا قانون ہی قانون ہے ۱۹۵۹

گو نئی نظریں مبارکباد دیں اس لطف پہ ــــ میں تو کہتا ہوں کہ شامت اُسکی جو ممنون ہے

صاف کہتا ہوں میں خوش باہوں ناخوش مولوی ــــ آسماں اب چاہتا ہے مولوی کُش مولوی ۱۹۶۰

بابو صاحب کا یہ ہے شکوۂ افلاس بجا ــــ سچ تو کہتے ہیں کہ مچھلی نہ سہی بھات تو ہو ۱۹۶۱

چاہو بھلا جو اسکا ہرگز نہ تم سکھاؤ ــــ بحثِ حقوقِ انساں نیٹو آف انڈیا کو ۱۹۶۲

جج کو کیونکر جائے کارِ خانگی کو چھوڑ کر ــــ اتنی کثرت ہو جو چوہوں کی تو بلّی کیا کرے ۱۹۶۳

بھلا کیا پوچھنا ہے شانِ اکبر کا زمانے میں ــــ ریویو بھی ہے ہندوستانی بھی مسلماں بھی ۱۹۶۴

شیخ جی کے دونوں بیٹے باہنر پیدا ہوئے ــــ ایک ہیں خفیہ پولیس میں ایک پھانسی پاگئے ۱۹۶۶

قوتِ زیرِ حراست سے نہیں پیدا شکوہ ــــ جب لیا لیسنس تو رعبِ رفل جاتا رہا ۱۹۶۷

باوجود اس بیکسی کے بدگمانی اسقدر ــــ ہیں کہی اللہ سے فریاد آڑے آیا دیں ۱۹۷۰

ڈائری میں ہوگیا تھا اختلافِ اندراج ــــ لڑ گئے خفیہ پولیس سے کل کراماً کاتبین

سول سرجن تو ساڑھے سات سے پہلے نہیں اُٹھتے ــــ ولیکن اُنکے مرغے کی سحرخیزی نہیں جاتی ۱۹۷۱

اے ذہنِ عرب گوش بکن صلح عجم را ــــ ایں نغمہ کشیدہ است دگر صوت و نغم را ۱۹۷۲

ضمیمہ

۱۹۷۳ در بحرِ زندگی دلم آہے کشید و رفت — برقِ نگہ بہ پیش کہ دریا برے طپید و رفت
داغِ دل است رنگِ فنا اندریں چمن — سبزہ دمید و مرد و گلِ تر رسید و رفت

۱۹۷۴ اس وعدہ خلافی پہ کرو غور کسی دن — ہر روز یہ کہہ دیتے ہو اب اور کسی دن
ہر لذتِ دنیا پہ وہ جھکتے ہیں فی الفور — آفت میں پھنسائیگی یہ فی الفور کسی دن

۱۹۷۵ خیالِ حالتِ قومی سے دل کو پست کرتا ہوں — مگر جب بنا بنگلہ دیکھتا ہوں جست کرتا ہوں

۱۹۷۶ مورخ اور صوفی میں یہی ہے فرق اے اکبر — کہ وہ مصروفِ ماضی ہے اور اسکو حال آتا ہے

۱۹۷۷ ڈاڑھی خدا کا نور ہے بیشک مگر جناب — فیشن کے انتظامِ صفائی کو کیا کروں

۱۹۷۸ نکال دیں تو درِ فیضِ عام چھٹتا ہے — جو منھ لگائیں تو اُن کا گدام لٹتا ہے
سکھائیں کیوں نہ یہ فقر و فنا رعایا کو — کہ حرص بڑھتی ہے اُسکی نہ دم ہی گھٹتا ہے
کہیں یہ خاک نشینوں کی طبع کو ہموار — کہ جس طرح سے کنکر سڑک پہ کُٹتا ہے

۱۹۷۹ نہ کٹ لٹ میں نہ بال اُٹھا چھری ہے — مگر کٹتی ہے تو چھری کیا بڑی ہے
کہاں مسجد میں وہ اگلے سے مسلم — خدا کے نام کی حسنا نہ پڑی ہے
ترقی پاکے وہ بر گئے ہیں تنخے — کسی کو کیا کہ جیب انکا خوری ہے
یہ لیڈر گا رہا ہے حمد کے گیت — مگر آواز بالکل بےسُری ہے

بہ قدر سے کیا ہوں خوش کہتی ہے بیوی انکی — بے سوا دہ نکلے تو کب ہاتھ لگانے دونگی
ہیں مسلمان کی لڑکی ہوں مسلمان ہی خود — سامنے بھی انھیں واللہ نہ آنے دونگی
ساھر کنی میں ہے یہ چھوڑونگی سمجھا کے نماز — ایسے مشرک کو بھلا ہاتھ سے جانے دونگی

یہ ملک نہ فطرت کا ہے شیدا نہ خدا کا — وہ دادا کا کہیں حبت ہی کہیں رسم کا خاکا
جو شرک میں ڈوبا ہے نہ پھولا نہ پھلے گا — غیروں ہی کی امداد سے کام اسکا چلے گا

۱۹۸۸
مجھ میں اب زور ناتوانی ہے بہت — یار میں ہم انکو بدگمانی ہے بہت
خاموش رہو تو سانس لینے دینگے — اتنی بھی یہ انکی مہربانی ہے بہت

میر منشی رضا حسین خاں صاحب نے سلسلہ مراسلت میں مجھکو یہ شعر لکھ بھیجا تھا

چشمے داریم و عالمے در نظرم — دیگر چہ معلم و کتابم باید

میری طبیعت میں اس شعر نے ایسا ہیجان پیدا کیا کہ اشعار ذیل موزوں ہو گئے۔

اے آنکہ فسانہ گوئی از دیر و حرم — ایں دفتر تست باعث دردسرم
بگذار مرا بہ حالم از راہ کرم — چشمے داریم و عالمے در نظرم

دیگر چہ معلم و کتابم باید

جامے ز مئے طہور دارم در دست — جانم بہ سرود عاشقی بیخود و مست
نے طالب نغمہ ام نہ من دادہ بہ بست — تار نفس است دیا دا ز عہد الست

دیگر چہ مغنی و شرابم باید

۱۹۹۰
یہ کہتے تھے اک لالہ با وقار — کہ عربی حروف انپر ہم پہ ہیں بار
رکھی ہے انھیں سے ہماری نمود — یہ گھسکیں تو ثابت ہو اپنا وجود
کہاں کا حرام اور کہاں کا حلال — یہ مٹ جائے خطی رہیں رام لال

۱۹۹۱
رقیب تمھارے کانوں کا میلوں ہو تو کیا — رقیبہ تمھارے دل کا تو دو اینچ بھی نہیں

۱۹۹۲
بوئے وفا نہیں ہے مسوکی اصول ہیں — بس رنگ دیکھتے رہیے گملے کے پھول ہیں

۱۹۹۳
روتا تھا میں اس غم میں کہ حالت تو ہی ایسی — اور اسکا کوئی دیکھنے والا بھی نہیں ہے

ہو اس کا بھلا جسنے کہا دل کو تو ہی رکھ — جو تجھ پہ گذرتی ہے خدا دیکھ رہا ہے

بھائی صاحب تو یہاں فکرِ سیاست میں ہیں — شیخ صاحب کو سُنا ہے کہ حوالات میں ہیں ۱۹۹۵

قوم کے حق میں تو اُلجھن کے سوا کچھ بھی نہیں — صرف آنر کے ممبر انکی ملاقات میں ہیں

سر بسجدہ ہے کوئی اور کوئی تیغ بکف — اِک ہمیں ہیں ریزولیوشن کی خرافات میں ہیں

ہوش میں رہ کے کرو دور نقائص اپنے — مغربی لوگ تو مست اپنے کمالات میں ہیں

طالب ہوں میں ترقی بابو پسند کا — اخلاق کو اگرچہ ہے خطرہ گزند کا ۱۹۹۶

بابو ہمیں نکل گئے اس عہد میں تو خیر — رہنا پڑا ہے ممبروں کو مچھلی کے پیٹ میں ۲۰۰۰

جیسے کہ یہ کہا ہے واللہ کیا کہا ہے — تعظیم خواہ سب ہیں حاجت روا خدا ہے ۲۰۰۱

مٹنے پہ ہے نقشِ باطل — لاتستعجل لاتستعجل ۲۰۰۲

عالمِ وحدت میں کثرت رنگ دکھلانے لگی — ہوش کے ٹکڑے ہوئے ہیں میں کی صدا آنے لگی ۲۰۰۳

جو بات صاف ہو کہتا ہوں بے دریغ اُسکو — نہ مجھکو کام ہے ٹھکرائی سے نہ شیخی سے ۲۰۰۴

زیادہ زینتِ دنیا بھی ہے فساد انگیز — جنونِ جنگ ہے پیدا اسی ترقی سے

اب حدیثِ لیڈری بے عمر رادی ہو چکی — آفتِ ارضی کی شدت ہے سماوی ہو چکی ۲۰۰۵

پند ہے کونوا عباد اللہ اِخواناً کی خوب — ووٹ بازی پر مگر یہ پند حاوی ہو چکی

خلوتِ ناز میں کیا شان خود آرائی ہے — حسن خود عالمِ حیرت میں تماشائی ہے ۲۰۰۶

میرے اس مصرع پہ سب کی واہ ہے — ہوش میں ہوں بندگی اللہ ہے ۲۰۰۷

جب غم ہوا چڑھا لیں دو بوتلیں اکٹھی — مُلا کی دوڑ مسجد اکبر کی دوڑ بھٹی ۲۰۰۸

چلا جاتا تھا اک ننھا سا کیڑا ایسے کاغذ پر — بلا قصدِ ضرر اسکو ہٹایا میں نے انگلی سے

مگر ایسا وہ نازک تھا کہ فوراً پس گیا بالکل — نہایت ہی خفیف اک داغ کاغذ پر رہا اسکا

۲۰۱۴
اک بحث میں الجھکر دنیا کا کام چھوڑا — چھوڑی سحر نہ اسنے ہنگام شام چھوڑا
ہر فلسفی نے لیکن عمر اپنی ختم کر دی — جو بحث اٹھائی اسکو بس ناتمام چھوڑا
الست کا اشارہ کافی ہے تجھ کو اکبر — پھر دل کا کیا ہو مرکز جب یہ مقام چھوڑا

۲۰۱۵
عجم کی زینتیں سیکھیں مباہات عرب سیکھیں — زمانے کی ترقی جو سکھائے انگلوسیکسن سیکھیں
مگر اک التماس ان نوجوانوں سے میں کرتا ہوں — خدا کیواسطے اپنے بزرگوں کا ادب سیکھیں

۲۰۱۶
دل کو فطرت سے ہے تعلق — مذہب کا اثر زبان پر ہے
چاہو جو شناخت نیک بد کی — موقوف یہ امتحان پر ہے

۲۰۱۷
دنیا کی بے وفائی سے اکبر ملول ہے — لیکن زیادہ اُس کا تصور فضول ہے
ابتک وہ رو رہا ہے میں سمجھا تھا رو چکا — اتنی سمجھ نہیں کہ مرا وقت ہو چکا

۲۰۱۸
جس میں ہر گام پہ اک دام بلا ہے درپیش — نفس کو تو انھیں باتوں میں مزا آتا ہے
اس کمیٹی میں نہیں روح کی لذت کا خیال — ممبر اٹھ جاتے ہیں جب ذکر خدا آتا ہے

۲۰۱۹
بہتر نہ سمجھے ہو تم جو خاموشی کو — یہ بھی نہ کہو کہ خامشی بہتر ہے

۲۰۲۰
الف بے تے ہی کو پڑھکر میں سمجھا — الف اللہ کا اور ما سوا بت

۲۰۲۱
نہ ازل کی رہی یاد اور نہ ابد کی ہے خبر — آفریں تجھ پہ نشے ہوش میں لانیوالے

بے حد وہ خفا ہیں اکبر سے اور اسکی دعا یہ ہے کہ انھیں
۲۰۲۲
اللہ بصیرت ایسی دے اپنی غلطی کو دیکھ سکیں

۲۰۲۳
علم پہ گو غرور بیجا ہے — جاہلوں سے ہو اجتناب روا

۲۰۲۴
شیخ برگد کہتے ہیں مذہب ضروری ہے مگر — فائدہ مذہب کا جو کچھ ہے اسی بنا پر ہے

۲۰۲۵
وہ خرافات ہیں جو مطلب — [illegible]

حضرت کی شعر گوئی کچھ مستند نہیں ہے — کہنے کی ایک حد ہے بکنے کی حد نہیں ہے

۲۰۲۷ حقیقی اور مجازی شاعری میں فرق یہ پایا — کہ وہ جامے سے باہر ہے یہ پاجامے سے باہر ہے

۲۰۲۸ کیا خبر خلد سے کیوں حضرت آدم نکلے — ہم تو مصروف ہیں گیہوں کی خریداری میں

۲۰۲۹ لاکھ چھانٹیں وہ مذہبی باتیں — فرق ہے شیخ و کلرک کی میں

۲۰۳۰ لیڈر کو دیکھتا ہوں تصوف پہ معترض — کالج کے کیڑے پڑ گئے دلقِ فقیر میں

۲۰۳۱ اصطلاحِ بحث بے پیر اسی پہ ہے درست — جس کا مرشد نہیں استاد نہیں پیر نہیں

۲۰۳۲ تعلیم اسکی اچھی جو اپنے گھر میں خوش ہو — مذہب اسی کا اچھا جسکو پولس نہ پکڑے

۲۰۳۳ طاعون کی بدولت انکو بھی ارتقا ہے — جو مارتے تھے مکھی اب مارتے ہیں چوہے

۲۰۳۴ تمھاری شاعری پہ پھول جھڑی ہے یا بتاشا ہے — یہ حافظ ہی کی محفل ہے جہاں کا ساد ہاقا ہے

۲۰۳۵ تم خدا کو خوش کرو سب کی خوشامد چھوڑ کر — با خدا حاکم جو ہوگا خود ہی خوش ہو جائیگا

۲۰۳۶ فرما گئے ہیں یہ خوب بھائی گھورن — دنیا روٹی ہے اور مذہب چورن

۲۰۳۷ نا ملائم کیوں کہو اور کیوں سنو — بات یہ ہے چپ کرو یا چپ رہو

۲۰۳۸ سمجھی ہوئی باتوں نے پریشان کیا ہے — مشتاق ہوں اسکا جو سمجھ میں نہیں آتا

۲۰۳۹ قائل ہمہ اوست کا ہے اکبر — محسوس مگر یہ نہیں ہے

۲۰۴۰ کرتا ہوں مضمون یہ مغرب سے نقل — بولتا ہے علم اور سنتی ہے عقل

۲۰۴۱ کالج کے مفتیوں سے کل کہہ رہے تھے اکبر — بسکٹ سے باز آنا [illegible] نہیں ہے

۲۰۴۲ کہتے ہیں کہ تم قوم سے قسم کیوں نہیں کہتے — کہہ دو یہ مناسب ہے تو تم کیوں نہیں کرتے

۲۰۴۳ یہی انکے عقائد میں یقیں سنتا نہیں پڑتا — جو کہتے ہیں نہ کرتے یہ اگر انکو یقیں ہوتا

۲۰۴۴ زبان کس بودہ در ہا کہ نہ سفتم — گفتند بگو گفتم — گفتند مگو گفتم

سایہ مدت ہوئی غبارہ بنا — پائچوں میں بھی اب بھری ہی ہوا ۲۰۴۶

جو کہہ رہا ہی خود اسکو نہیں ہے وہ محسوس — غرض کہ داد ہی پالے اثر سے ہو مایوس ۲۰۴۷

رجز تو تو نے سنائی رہِ عمل کو بھی دیکھ — پرانے قصے تو ہیں یاد آجکل کو بھی دیکھ ۲۰۴۸

ہاں نہ منطق ہی کتابوں کے نہ پشتارے ہیں — جوش ہی دل میں مضامین کے فوارے ہیں ۲۰۴۹

مغربی تعلیم ہو اور وہ ہو موم ہوئی بات ہو — لطف موسم ہی یہی ٹھنڈک ہو اور برسات ہو ۲۰۵۰

دین پر جب ہمنے دنیا کو مقدم کر دیا — دینوی درجے کو بھی اللہ نے کم کر دیا ۲۰۵۱

خوب عالم ہی زمانے کو جہاں دخل نہیں — بزم توحید میں یہ گردش ایام کہاں ۲۰۵۲

سر جھکا رکھ سر اٹھانے کی جگہ ایدل کہاں — چاند ماری ہو رہی ہی بدر کی منزل کہاں ۲۰۵۳

حرج کیا روپیہ جو کاغذ کا چلا — غم نہ کھا روٹی تو گیہوں کی رہی ۲۰۵۴

ہے حوادث کا محبانِ الٰہی پر بھی فشر — ہاں حسابِ دوستاں در دل اگر کہئے تو خیر ۲۰۵۵

نبوت کا زمانہ اور تھا اب اور صورت ہی — وہاں سینے میں قرآن تھا یہاں سینے میں پاکٹ ہی ۲۰۵۶

کیا ترقی کہ بہم جس سے بڑھے بغض و نفاق — فربہی کیا ہی اگر خلط ہو فاسد پیدا ۲۰۵۷

زیادہ بے لطفی ہو چلی تھی اسوقت یہ اشعار معارف نے چھاپے ورنہ نصیحت اور امر بالمعروف ہمیشہ چاہیئے

اسوقت مولویت صوفی سے بگڑ گئی ہے — اغیار کو ہو مژدہ آپس میں چھڑ گئی ہے ۲۰۵۸

ملا کو زعم ہے یہ دائم چراغ گو ہم — صوفی کو یہ کہ ہر دم پائے چراغ ہو ہم

ملا یہ کہہ رہے ہیں میرا رسالہ دیکھو — صوفی کا ہی اشارہ میرا پیالہ دیکھو

ملا پکارتے ہیں منطق کی جنگ اچھی — صوفی کا ہی ترانہ حق کی ترنگ اچھی

ملا یہ کہہ رہے ہیں قرآن ہی سے پڑھیئے — صوفی یہ کہہ رہے ہیں معنی سمجھ کے پڑھیئے

یہ پرچہ میں چند اشعار ہیں الرسال خدمت ہے	ہمارے لخت دل ہیں آپکا مال تجارت ہے	۶۲
کہوں کیا ہستی باری ہیں شک تجھے نیکے کیا معنی	یہی سمجھا نہیں ہیں آپ جبتک ہو نیکے کیا معنی	۶۳
تنہائی میں بھی فکر جماعت کی جی میں ہے	دنیا میں میں نہیں ہوں یہ دنیا مجھی میں ہے	۰۶۴
شاگرد ڈارون تو خدا ہی سے کر دیا	اکبر مگر نہیں ہے مداری کے ہاتھ میں	۱۰۶۵
اگرچہ دعویٰ اسلام ہے مگر بالفعل	سوا خدا کے ہمارا کوئی گواہ نہیں	۰۶۶
چھوڑنا ممکن ہے اکبر شوخی گفتار کو	ترک حق گوئی ہو مشکل محرم اسرار کو	۰۶
جوانی نے تو اپنے واسطے ہمکو اٹھایا تھا	بڑھاپا تو بچائے اب خدا کیواسطے ہمکو	۱۰۶۸

تمت